حادثۂ کربلا کا پسِ منظر

محققِ عصر
مولانا محمد عبد الرشید نعمانی
مدظلہ کی دو کتابیں

"شہداءِ کربلا پر افترا"
"یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں"

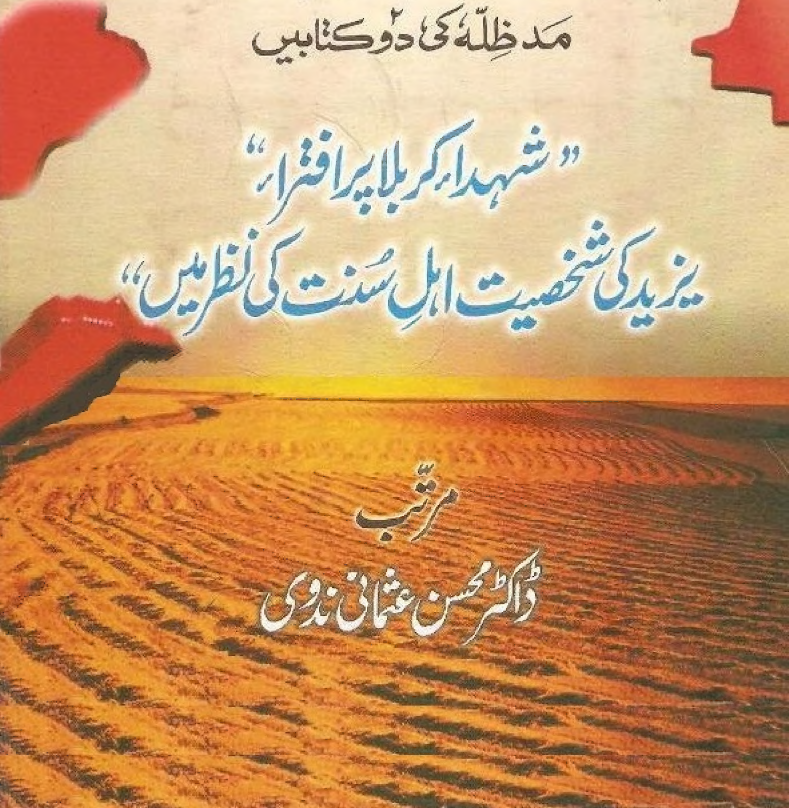

مرتّب
ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اہلِ سنت کی نظر میں اور تاریخ کی شہادتوں کے آئینہ میں

حادثۂ کربلا کا پس منظر

اور

محققِ عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ،
کی دو کتابیں

شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی
استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی
حال صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

ادارہ اشاعتِ دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : حادثۂ کربلا کا پس منظر اور مولانا عبد الرشید نعمانی کی دو کتابیں شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں

مرتبہ : ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

باہتمام : محمد انس

کتابت : نظام قیصر رانچوی

سن اشاعت : ۲۰۰۱ء

مطبع : نائس پرنٹنگ پریس۔ دہلی

ISBN 81-7101-386-4

Published by:
IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.
168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin, New Delhi-13
Tel.: 6926832, 6926833 Fax: 011-6322787, 4352786
Email: **sales@idara.com** Website: **www.idara.com**

در معنیٔ حریتِ اسلامیہ و سرِّ حادثۂ کربلا

علامہ اقبال

ہر کہ پیماں با ہو الموجود بست — گردنش از بندِ ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است — عشق را ناممکنِ ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر — پاک تر چالاک تر بیباک تر
عقل در پیچاکِ اسباب و علل — عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
عشق صید از زورِ بازو افگند — عقل مکار است و دامے می زند
عقل را سرمایہ از بیم و شک است — عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تا ویراں کند — ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چوں باد است ارزاں در جہاں — عشق کمیاب و بہائے او گراں
عقل محکم از اساسِ چون و چند — عشق عریاں از لباسِ چون و چند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن — عشق گوید امتحانِ خویش کن
عقل با غیر آشنا از اکتساب — عشق از فضل است و با خود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو — عشق گوید بندہ شو آزاد شو
عشق را آرامِ جاں حریت است — ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد — عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد
آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ — سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل — دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او — شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ او
درمیانِ امت آں کیواں جناب — ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیرالاممؐ
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

* * *

فہرست کتاب

حرفِ اول (اہلِ سنت کا مسلک) مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
حرفِ دوم (مقدمہ کتاب) ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

● واقعۂ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر ●

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حضرت معاویہؓ (۱۸) یزید کی ولی عہدی کے نقصانات (۲۰) دینی طبقہ کی رائے عامہ (۲۲)
○ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں (۲۳) اختلاف کی بنیاد (۲۶) حضرت معاویہؓ کا موقف (۲۷)
○ صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے شفقت (۲۸) حکمت الٰہی کیا تھی (۳۱) اہلِ عزیمت کے لئے
نمونہ اور نظیر (۳۲) ایک بنیادی مسئلہ اور علامہ ابنِ تیمیہ (۳۵) ظالم حکمرانوں کے خلاف اقدام کے
بارے میں ابنِ حزم کا موقف (۳۷) فاسق وفاجر حکمراں کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی
کا موقف (۴۰) علامہ ابوبکر جصاص کا موقف (۴۲) امام الحرمین کا موقف (۴۳) حضرت عمر کی
حدیث (۴۴) اعتدال کی راہ (۴۵) علامہ ابنِ حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ ویزید کے بارے میں
(۴۷) انعقادِ امامت کا مسئلہ اور اسلام کا اصولِ حکمرانی (۴۸) زشت روئی سے تری آئینہ ہے
رسوا ترا (۵۴) معاویہ بن یزید کی شہادت (۵۶) حضرت عمر بن عبد العزیز کی شہادت (۵۷)
علامہ ابنِ تیمیہ کی شہادت (۵۷) وَضع الید فی الید کی روایت (۵۸) وتواصوا بالحق پر عمل کا
نمونہ (۵۹) وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے (۶۰) آخر میں ایک بات اور (۶۰) ایک
مرض اور اس کے اسباب (۶۱)

● شہداء کربلا پر افتراء ●

از محققِ عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

نواصب کون ہیں (۶۵) نواصب کا خاتمہ (۶۷) برّ صغیر میں ناصبیت کی تحریک (۶۸)
○ مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام (۶۸) خودساختہ داستان کربلا (۷۱) جھوٹ
کی تنقیح (۷۸) داستان گو کی حساب دانی (۸۶) دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۸۷) تیسرے
جھوٹ کی تنقیح (۹۶) ظلم کا انجام (۱۰۴) امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا (۱۰۷)
حضرت ابنِ زبیر پر افتراء (۱۰۸) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی (۱۱۶) وظائف
مقرر کرنے کا افسانہ (۱۱۷) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ (۱۱۸) بنی ہاشم پر افتراء (۱۲۵)
حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲۶) حضرت حسینؓ کو مطعون کرنا (۱۲۹) کتاب کا غلط
حوالہ (۱۳۵) صحابیِ رسولؐ حضرت سلیمان بن صُردؓ پر طعن (۱۳۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۳۹)
حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین (۱۴۱) ایک نئی دریافت (۱۴۲) حضرت حسنؓ کے بارے میں
داستان سرائی (۱۴۴) حضرت حسینؓ کی تحمیق (۱۴۶) ضروری تنقیح (۱۴۸) شیعہ مخلصین کون ہیں (۱۵۴)
اہلِ سنت کا عقیدہ (۱۶۱) نواصب تقیہ سے باز آئیں (۱۶۳) یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

● یزید کی شخصیت اہلِ سنت کی نظر میں ●

از محققِ عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

تمہید (۱۶۷) استفتار کے سوالات (۱۶۹) استفتار (۱۶۹) استفتار کا اجمالی جواب (۱۷۵)
اہلِ سنت کا شیوہ (۱۷۵) حضور علیہ السلام کے اصحاب، ازواج اور ذریت کے بارے میں
اچھی رائے رکھنے والا نفاق سے بَری ہے (۱۷۵) حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات
حسنین جوانانِ جنت کے (۱۷۶) یزید سے نفرت کرنا ایمان کا مقتضی (۱۷۷) یزید کے بُرے کرتوتوں کی
تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے (۱۷۷) شاہ ولی اللہ صاحب (۱۷۹) ناصبیوں کے شبہات
کے تفصیلی جوابات۔ پہلے شبہہ کا تفصیلی جواب (۱۸۰) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت (۱۸۰) مستفتی
اگر دوسری حدیث پر غور کرتے (۱۸۰) کسی عملِ خیر پر بشارت کا مطلب (۱۹۲) کسی شخص کا نام لے کر اسے جنتی کہنا

اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے (۱۹۳) یزید کا نام لے کر اس کو جنت کی بشارت نہیں دی
گئی (۱۹۳) حافظ ابنِ کثیر کی تصریح ○ شیعانِ امویہ کا مذہب (۱۹۴) یزید کا مجاہدینِ روم کا مذاق
اڑانا (۱۹۵) حضرت معاویہؓ کا بالجبر اس کو جہاد پر روانہ کرنا ○ زمامِ خلافت سنبھالتے ہی (۱۹۶) "سیدنا یزید"
کے مؤلف کی شرمناک حاشیہ آرائی (۱۹۶) بالفرض یزید جہاد قسطنطنیہ میں دل سے شریک ہوا تو (۱۹۸) شاہ
ولی اللہ صاحب کی تصریح ○ ایسے کام کئے جو لعنت کے موجب تھے حدیث میں جن چھ افراد کو لعنتی بتایا گیا ہے ○
مظالم کی تفصیل امام ابنِ حزم کی زبانی ○ خلاصہ بحث (۱۹۸) یزید جیسے فاسق کی سرگردگی میں بھی جہاد
ہوسکتا ہے (۱۹۹) "مدینہ قیصر سے حدیث میں قسطنطنیہ نہیں بلکہ "حمص" مراد ہے (۲۰۰) "صحیح بخاری
میں یزید کی مذمت میں حدیثیں (۲۰۱) پہلی حدیث (۲۰۱) حضرت ابوہریرہ کا دورِ یزید سے پناہ
مانگنا (۲۰۳) یزید کی مذمت میں "صحیح بخاری" کی دوسری حدیث (۲۰۵) امت کی تباہی قریش کے چند
بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں (۲۰۶) لونڈوں کی حکومت کی کیفیت (۲۰۶) شمر کا اطاعت یزید کے
سلسلہ میں عذر بد (۲۰۷) امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں پر یزید سرِ فہرست ہے (۲۰۹) آنحضرتؐ کی
ہدایت (۲۰۱۰) صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل (۲۱۰) مروان کا لعنت کرنا (۲۱۲) یزید کے دور میں صحابہ و
تابعین پر مظالم (۲۱۳) تیسری روایت (۲۱۴) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا مروان کو برسرِ ممبر ٹوکنا (۲۱۵)
حضرت عائشہؓ کا مروان کو جھوٹا کہنا (۲۱۷) مروان کی حضرت عائشہؓ سے سخت کلامی (۲۱۷) حضرت
عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا حضرت معاویہؓ کو رقم واپس کر دینا (۲۱۸) یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کر دینا
کہ اس نے حضرت حسینؓ و حضرت ابنِ زبیر پر سختی کیوں نہیں کی (۲۱۹) مروان کا گورنر مدینہ کو مشورہ دینا
کہ حضرت حسینؓ و ابن زبیر و ابن عمر اگر بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے (۲۲۰) حضرت ابو شریح کا
گورنر مدینہ کو حرمِ الٰہی پر فوج کشی سے منع کرنا (۲۲۰) چوتھی حدیث (۲۲۰) یزیدی گورنر کا حضرت
ابو شریح کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا (۲۲۲) اس گورنر کے بارے میں امام ابنِ حزم کا فیصلہ (۲۲۲)
حضرت ابنِ زبیر کے خلاف گورنر مدینہ عمرو اشدق کی ہرزہ سرائی (۲۲۳) حضرت ابنِ زبیر کے فضائل (۲۲۶)
یزیدی گورنر عمرو اشدق کی مذمت حدیث میں (۲۳۱) کربلا کے دن (۲۳۲) پانچویں حدیث (۲۳۲)
قرابت رسول اللہ کا پاس و لحاظ (۲۳۲) ابنِ زیاد بدنہاد کی حضرت حسینؓ کے سرِ اقدس کے ساتھ گستاخی
○ یزید کی شقاوت (۲۳۸) ابنِ زیاد بدنہاد کا صحابہؓ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل (۲۳۹) حضرت

معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا (۲۳۹) ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ
گستاخی (۲۴۲) ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمر کے ساتھ بدتمیزی (۲۴۳) ابنِ زیاد کا حضرت ابو برزہ
کا مذاق اڑانا (۲۴۴) ابنِ زیاد بد نہاد تھا (۲۴۷) یزید کی مدینہ نبوی میں فوج کشی (۲۴۹) واقعہ حرّہ
کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی۔ چھٹی حدیث (۲۴۹) حرّہ کے مظالم کی تفصیل (۲۵۱) حرم مکّہ
کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری (۲۵۵) یزید کا انجام بد (۲۵۵) خود فیصلہ کیجئے (۲۵۷) امام سیوطی اور
علّامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا (۲۵۸) ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری
ہیں (۲۵۹) دوسرا شبہ اور اس کا جواب۔ صحابہ یزید کے درباری نہ تھے (۲۶۲) یہ رافضیوں کی طرح کا
شبہ ہے (۲۶۵) کیا یزید کے ظلم و ستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے (۲۶۷) تیسرا شبہ۔ یزید کی برارت
کے بارے میں محمد بن حنیفہ کی روایت (۲۷۲) منتقی کا غلط حوالہ (۲۷۲) جاہل کردوں کا عقیدہ (۲۷۳)
خلافتِ نبوت جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے تیس برس (۲۷۲) ائمہ مسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں
تھا کہ یزید عادل تھا (۲۷۳) حافظ ابنِ کثیر کی تصریحات (۲۷۴) محمد بن حنیفہ کی طرف منسوب (۲۷۵)
فنِ رجال کا متفقہ فیصلہ (۲۷۶) **چوتھا شبہہ**۔ کیا حضرت ابنِ عباس نے یزید کو اپنے
خاندان کا نیک فرد بتلایا تھا؟ (۲۷۸) اغانی کی روایت (۲۷۸) الامامہ والسیاسیہ (۲۷۹) ”بلاذری“ کی
سند (۲۸۰) حضرت ابنِ عباس کی آخری رائے (۲۸۰) یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت
(۲۸۱) یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام (۲۸۱) حضرت ابنِ عباس کا سرزنش نامہ (۲۸۳)
پانچواں شبہہ اور اس کا جواب۔ قاضی ابن العربی کی رائے (۲۸۸) قاضی ابن العربی
کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا (۲۸۹) قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں (۲۹۰) کتاب الزہد میں
جس یزید کا ذکر ہے (۲۹۱) امام ابنِ جریر کو رافضی بتانا محض جھوٹ ہے (۲۹۳) مطبوعہ ”کتاب الزہد“
اصل نہیں (۲۹۳) یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۲۹۴) حافظ ابن حجر کی ”لسان المیزان“ سے
یزید کا مکمل ترجمہ (۲۹۶) امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے (۳۰۲) قاضی ابوبکر بن العربی کی ہجو (۳۰۵)
چھٹا شبہہ اور اس کا جواب۔ یزید کے جرائم کی فہرست (۳۰۸) غزالی کے فتویٰ کی تنقیح
(۳۰۸) حضرت حسینؓ کا میدانِ کربلا میں آخری خطبہ (۳۱۱) امام کیاہراسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے
(۳۱۳) غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے (۳۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق (۳۱۵)

شاہ عبد العزیز صاحب کی تحقیق (۳۱۹) اظہارِ ندامت (۳۲۱) یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبد العزیز
صاحب کا فیصلہ (۳۲۲) بعض علماء یزید پر لعنت اس لئے نہیں کرتے کہ کہیں اس کے گناہوں کا بوجھ کم نہ
ہوجائے (۳۲۴) یزید پر لعن کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۳۲۶) یزید پر لعنت کے بارے میں امام
اعظم اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات (۳۲۷) امام ابوبکر جصاص کا فتویٰ (۳۲۷) ائمہ بخارا کا فتویٰ (۳۲۷)
امام کردری کا فتویٰ (۳۲۹) "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "برازیہ" (۳۲۹) لعن کے بارے میں "کتاب العالم والمتعلم"
کی عبارت (۳۳۰) مسلمان پر لعنت کرنے کا مطلب (۳۳۱) **ساتویں اور آٹھویں شبہے**
ان شبہوں کا منشا کیا ہے (۳۳۲) **نواں شبہہ** حضرت زین العابدین کی یزید سے بیعت (۳۳۳)
اس شبہہ کا جواب ۔ "طبقات ابن سعد" اور بلاذری کا غلط حوالہ (۳۳۳) حضرت زین العابدین
کے ساتھ بدتمیزی (۳۳۴) اہلِ شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا (۳۳۶) اہلِ بیت کی حق تلفی (۳۳۷)
دسواں شبہہ سادات کی رشتہ داریاں امویوں سے (۳۳۹) **اس شبہہ کا جواب**
واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا (۳۳۹) یزید کے
زوال سے عبرت پکڑنا (۳۳۹) **گیارھواں شبہہ** ۔ **اس شبہہ کا جواب** ۔ سائل
کی لغو بیانی و دروغ گوئی (۳۴۰) حضرت فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا (۳۴۱)
بقیہ غلط باتوں کی تفصیل (۳۴۲) حضرت حسین کا اقدام (۳۴۲) جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف
اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا (۳۴۳) یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسین کو چین سے
بیٹھنے نہ دیا (۳۴۴) بر بنائے شفقت (۳۴۴) کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے (۳۴۵) کوفہ کی گورنری
پر ابنِ زیاد کا تقرر (۲۴۵) عمر بن سعد کا حشر (۳۴۸) ابنِ زیاد کے سر کا عبرتناک انجام (۳۴۸)
یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا (۳۴۹) یزید کی نسل کا منقطع ہوجانا (۳۵۰) یہ صحیح نہیں یزید
کی بیعت پر راضی ہوگئے تھے (۳۵۱) اس روایت پر روایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث (۳۵۱)
حضرت حسینؓ کا شمار کبار صحابہ میں ہے (۳۵۳) حضرت علی اور حضرت حسین اپنی تمام جنگوں میں
حق پر تھے (۳۵۴) حضرت حسینؓ اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟ (۳۵۵)
عقبہ بن سمعان کی روایت بھی موجود ہے (۳۵۶) خضری کی تحقیق اس باب میں ۔ **بارھواں
شبہہ** ۔ حضرت حسینؓ کی اجتہادی غلطی (۳۵۸) **اس شبہہ کا جواب** ۔ شہید

کرنے کا کیا جواز تھا (۲۵۸) سبائی کون تھے (۲۵۸) صحابی کی بھاری اکثریت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی (۲۶۱) صحابیِ رسول کا معرکۂ کربلا میں شہید ہونا (۲۶۳) احادیث کی رو سے حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت (۲۶۴) اہلِ بیت سے جنگ کرنا باجماعِ امت مذموم (۲۶۵) یزید کے بارے میں خود اس کے بیٹے کی شہادت (۲۶۶) ابن زیاد کی شہادت (۲۶۷) یزید کا فسق (۲۶۸) شہادت حسینؓ پر حضور علیہ السلام کا قلق (۲۶۹) ابنِ تیمیہ کا بیان (۲۷۳) حضرت حسینؓ سے حضور علیہ السلام کا محبت فرمانا اور خلفائے ثلاثہ کا ان کا اکرام کرنا (۲۷۴) مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب (۲۷۵) مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات (۲۷۶) حضرت مجدد الفثانی کی تصریحات (۲۷۶) بحر العلوم کی تصریح (۲۷۸) سید احمد شہید کی تصریح (۲۷۸) مولانا تھانوی کا فتویٰ (۲۷۹) غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح (۲۷۹) نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ (۲۸۰) علامہ مقبلی کی رائے (۲۸۳) یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث (۲۸۶) یزید کا جزیرہ روڈس اور جزیرہ ارواس سے مجاہدین کو واپس بلوانا (۲۸۷) ” مدینۂ قیصر “ (۲۸۸) حدیث مدینۂ قیصر کا مصداق سلطان محمد فاتح (۲۸۸) قسطنطنیہ کی پہلی مہم (۲۸۹) یزید کا عقیدہ اور عمل (۲۹۴) حافظ ابنِ تیمیہ کا فتویٰ (۲۹۵) اہلِ سنت کے لئے لمحۂ فکریہ (۲۹۸)

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

عقل و دل نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(اقبالؒ)

حرفِ اول

مولانا ابوالحسن علی ندوی

اہلِ سنت کا مسلک

مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر
اس موضوع پر حرفِ اول بھی ہے اور حرفِ آخر بھی

ائمہ اہلِ سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت احادیثِ صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافتِ راشدہ کے بارے میں تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافتِ راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب[1] دہلویؒ اور آخر میں امام اہلِ سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کا مسلک اور تحقیق ہے[2]۔

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دورِ خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں) اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا جو ایک مسلمان حاکم اور فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و عادات کا مرتکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابلِ تنقید و مذمّت ہیں، پھر انھیں کے عہد میں واقعہ حرّہ جیسا سنگین اور قابلِ شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبل[3] اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے[4] دونوں نے سخت الفاظ میں یزید کی مذمّت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سبّ و شتم اور تبرّا سے محترز اور مجتنب اور

---

[1] ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۱۳۶

[2] "خلفائے راشدین" از مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی، ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء

[3] ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض [4] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۷

رفض و تشیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے[1]۔

اس کے نتیجہ میں اور اس کے پس منظر میں محققینِ اہلِ سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انھوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو بر سرِ صواب، شہید راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا باور کرتے ہیں۔

اگر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابلِ تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر بُرے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندان سادات ہی کے ان تین صاحبِ عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیۃ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہاء اور مذاہب فقہیہ اہلسنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبد الملک کے خلاف عَلم جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب "منہاج السُّنّۃ"

[2] ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" از مولانا سید مناظر احسن گیلانی ۔

حرف دوم

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

مقدمہ کتاب

اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہؓ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے میں کی جارہی ہے۔ چنانچہ لکھنو سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور یزید کی طرف سے بیانِ صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق اور محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسرِ باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اوّل میں حضرت امام حسینؓ اور حضرتِ عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی صدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعۂ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدارِ وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبرِ برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا سامان بہم پہونچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعزا و اقربا سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الاقربین (اور ڈرائیے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انھوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کردیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی صحبت کا

ان کے گھر والوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حبِّ جاہ کے شکار ہو گئے۔ ایک سچّے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کروڑوں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضرات حسنینؓ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضرات حسنینؓ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؓ اور سیدنا علیؓ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرینِ عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہوگی کہ اہلِ بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہلِ بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح و سنن کے تمام مجموعے کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار ٹھہرانا ہے۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیرو بنانا جس کے سیاہ کارناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکمِ برحق قرار دینا درحقیقت ملتِ اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہلِ بیت کی محبت و عظمت کو نکالنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعۂ حرّہ میں مدینہ میں انصار و مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا۔ جس نے تین روز تک شام کے لشکریوں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں۔ کون

نہیں جاننا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجد نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ بقعۂ پاک جہاں جبرئیل امین اترتے تھے اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیاریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بن کر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دستِ مبارک سے ملی۔ حضورؐ نے اپنے دندانِ مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالمِ وجود میں آنے کے بعد حضورؐ کا لعابِ دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرتِ حسینؓ کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صف آرا ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخِ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرۂ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضورؐ کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے تھے یہ وہ انصارِ مدینہ تھے جنھوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنامِ زمانہ سلمان رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا۔ اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے

اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

"نئے مطالعہ کی روشنی میں" واقعۂ کربلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخی دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنفِ کتاب کو نیا مخطوطہ مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صلحاء ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پیشِ نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھیڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدثِ جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، مصنف لغات القرآن ایک عالم جلیل اور محدثِ کبیر ہیں۔ آپ نے سننِ ابنِ ماجہ کی شرح لکھی ہے جو ہند و پاکستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہلِ علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث نبویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نامِ نامی کا جزء "نعمانی" بنا لیا ہے۔ اکابرِ دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دینِ حنیف ابراہیمی اور مسلکِ حنفی کا قلعہ بتایا تھا۔ کئی مرتبہ

مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درسِ حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصہ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں ۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہند و پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں ۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا ۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی کی کتابیں مکتبۂ اہلِ سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ گیا ۔ اب وہاں کوئی عالمِ دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھارا جارہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلسِ علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کرلیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے ۔

محسن عثمانی ندوی

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس برّصغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصود کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطہ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعۂ کربلا، حضرت حسینؓ اور یزید کی آویزش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہلِ دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائلِ فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے ان کا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحان و میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب بہ الفاظِ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہؓ

خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمزاج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے

اقتدار حاصل کرلیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کرلی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتحِ عراق حضرت سعدؓ بن وقاص ان سے ملے تو انھوں نے السلام علیک یا یھا الملک کہہ کر خطاب کیا۔ یعنی اے بادشاہ آپ کو سلام۔ حضرت معاویہؓ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوار ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔ بلاشبہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت واشاعت کے اعتبار سے اور امن وامان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابی رسولؐ اور کاتبِ وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافتِ راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست وحکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست وحکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافتِ راشدہ کے دورِ زرّیں کے بعد فوراً وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؓ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابلِ مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انھوں نے اپنی وصیت میں اہلِ خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انھوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔

تجہیز وتکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اس کو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا اس وقت صحابۂ کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ صحابۂ کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا جن لوگوں نے حضورؐ کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انھیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہلِ تقویٰ اور اہلِ علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہیئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہلِ دین کا ضمیر برداشت کرتا۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اُسے پُر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؓ کی تھی۔ یہ کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں اہلِ دین اور اہلِ عزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولیعہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل ہو سکا۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں۔ ان کو یہ احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسندِ اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے اربابِ حل و عقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انھوں نے اس انحراف کی جس کی ابتدا یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح

ضروری سمجھی انھوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے کہا:

> "لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنالو۔"

سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی بات طے ہوگئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

ایها الناس انّی قد اُبتلیتُ بهذا الامر غیر رأی کان منی ولا طلبة له ولا مشورة من المسلمین وانّی قد خلعتُ ما فی اعناقکم من بیعتی فاختروا لانفسکم فصاح الناس صیحة واحدة وقد اخترنالك یا امیر المؤمنین ورضینا بك[1]

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلادہ تمھاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا "امیر المومنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاجِ دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلادہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسرِ اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑا دی

---

[1] (ابن الجوزی ص ۵۳)

جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں، مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظام قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علیٰ منہاج النبوۃ باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنھوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاجِ دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہلِ دین و تقویٰ کا گروہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسینؓ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمۂ اہلِ سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

"امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا۔"[1]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔"[2]

مجدد الف ثانی کہتے ہیں:

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۷

"یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرۂ فساق میں داخل ہے"۔[۱]

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کہتے ہیں:

"گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا"۔[۲]

عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔

(۱) خلافت راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جس پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جب کہ خلافت راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولّی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمالِ احتیاط اور تقوے کے ساتھ۔

(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمّت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہو سکتی ہے۔

(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکلیہ آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے ذریعہ انجام دیے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور "و امرھم شوریٰ بینھم" کے حکمِ شریعت کو پامال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت و تقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور، ہوا و ہوس، نوش و نشید کا سیلاب شاہی درباروں

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی جلد ۱ مکتوب ۲۵۱

[۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۱۳

تک پہنچ گیا تھا۔ خود یزید کی زندگی بے داغ نہ تھی۔ آبرو فاختہ اور اباحیت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جبکہ اس طبقہ کا وجود خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا

(۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب وسنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لیے دین کو قربان کیا جاتا تھا او اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنوامیہ کے عہد میں نومسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربانوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہو گئیں۔

(۹) خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں حکمراں کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دورِ ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمراں ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا۔ اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدتِ امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافتِ راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل کی الگ الگ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد لی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب وعجم کی کشمکش بھی شروع ہو گئی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا ردِّعمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافتِ راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسرِ عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عافیت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا ضمیر کو

پھیلنے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں وہ حکمرانوں کی زجر و توبیخ اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مفاسد ہو سکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہو گئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

> "زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی
> اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی"

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتا ہی جائے گا۔ یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہرقل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انھیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹڑی بدل دی ہے اور اب یہ راستہ "مکہ" کے بجائے "ترکستان" کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمتِ سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمتِ سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لیے میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؓ نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسما بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اجلِ صحابہ کے نام موجود ہیں جنھوں نے یزید کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظامِ حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہلِ دین اور صحابۂ عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یزید کی ولیعہدی کے مسئلے پر ابنِ اثیر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

> "تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہرقل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہرقل مرا تو دوسرا ہرقل آ گیا۔"[1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنائیے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو۔ یزید کی ولیعہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انھوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

"اپنے بعد معاملے کو اس طرح چھوڑ جائیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انھوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، یا پھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفۂ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انھوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنا دی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا۔"[2]

خود حضرت حسینؓ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عامل، انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔[3]

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰

[2] ابن اثیر

[3] طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۸

اب جن لوگوں نے برسرِ ممبر اور علیٰ رؤس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عامل تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابلِ اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں

وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشہوات والترک لبعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتہا فی غالب الاوقات

اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوۃ بن جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت لاپرواہی کا شکار تھا۔

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامتِ نماز ہے۔ اگر کوئی حکمراں دین کے معاملہ میں اتنا لاپرواہ ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامت صلوۃ کے بجائے اماتت صلوۃ کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدام درست ہو جاتا ہے

حضرت معاویہؓ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولیعہدی پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لیے یہی صورت مناسب تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا، جو ہر باپ کے سینے میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسبابِ ولیعہدی میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

"وذالک من شدۃ محبۃ الوالد لولدہ"

صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے مصلحت وشفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؓ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطۂ نظر یہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نکیر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطۂ نظر یہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنیفہ نے ان سے کہا

"تمام علاقوں میں گھومئے پھرئے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطہ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو رائے قائم ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی"[1]

حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرینِ مصلحت نہیں انھوں نے کہا:

"عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کرو۔"

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انھوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انھوں نے اخلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؓ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی اس اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

---

[1] (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۱)

عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا تھا وہ منہاج سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہلِ دین وتقویٰ کے لئے بڑی صبر آزما تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ رہے تھے کہ اس صورتِ حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قشونِ قاہرہ کی نظروں میں نہ اہلِ دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بدرجۂ مجبوری بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی "یسروا ولا تعسروا" نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافتِ راشدہ کے عہد میں بھی تھا لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کرکے ظلم پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

"اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا"

ظلم وستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے روز و شب تسبیح وتلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرزِ عمل کو حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اہلِ دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انھوں نے حکومتِ وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید واحیاء کی پرخلوص جدوجہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریوں

کا سایہ کم سے کم پڑے انھوں نے بادِ مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار گریباں تو مرا دور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی۔ شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادلِ ناخواستہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکارِ بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام و اکرام اور حسنِ سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابنِ اثیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

> ”تمھارا خط ملا، میں نے جو ابنِ زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں تم سے حسن سلوک اور تمھاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمھارا یہ کہنا کہ تم میرے اس حسنِ سلوک کو فراموش نہ کروگے تو مجھے تمھارے حسنِ سلوک کی ضرورت نہیں اور تمھاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں تمھاری محبت پیدا کروں اور ابنِ زبیر سے نفرت اور ابن زبیر کو میں اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے نہ تمھاری خوشی منظور ہے اور نہ تمھارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جوانانِ عبدالمطلب کے قاتل ہو۔ تمھارے سواروں نے تمھارے حکم سے ان لوگوں کو خون آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا...... یہ سب کچھ تم نے خدا، رسول اور اہلِ بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمھارے سامنے

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا صفایا کیا جا سکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں کو قتل کر رہے ہو ...... آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے

والسلام[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کا عملی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بربنائے شفقت کی تھی کہ اہلِ اسلام کے اس کعبہ محبت کو کوئی آنچ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ لیکن اس وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین کے خطوط ان کے پاس آ رہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آ رہے تھے اور انھیں بلا رہے تھے۔ انھوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا جاتا تھا؟۔

حکمت الٰہی کیا تھی؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الٰہی یہ تھی کہ امام حسینؓ کو شہادت کے بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شہداء کا عیش اور سعداء کی منزل پا سکیں۔

---

[1] ابن اثیر کامل - ج ۴ ص ۵۱/۵۰

لیکن اس حکمتِ الٰہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الٰہی اس واقعہ شہادت میں موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملّت اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلانِ حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انھیں بے چین و مضطرب کر دے۔ یہاں امام ابن تیمیہ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے"

حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر۔

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہلِ عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہلِ دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئیڈیل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جد و جہد بھی جاری رہی۔ جد و جہد اس چیز کے لیے بھی کہ خلافت کو صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظامِ حکومت کی چول جو کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کر لی تھی اسے ختم کیا جائے۔ لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظامِ حکومت کے خلاف علمِ جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہلِ بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت مرکز امید کی تھی۔

امام حسینؓ کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف محاذ آرائی کی اور ۱۲۲ھ میں اقامتِ دین کی اس جد و جہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامتِ دین کے لئے جد و جہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابو حنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظامِ حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انھوں نے زید بن علی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے اور اس استفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا

"خروجہ یضاھی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وامدّ جنودہ بالمال ولکنہ کان ضعیفَ الثقۃ فی انصارہ ولذا قال فی الاعتذار عن حمْل السیف معہ"

زید بن علیؓ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انھیں بھروسہ کم تھا اس لئے انھوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی[1]۔

حضرت زید بن علیؓ کے بعد حضرت محمد ذو نفس زکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنی بن سیدنا حسنؓ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور امام ابو حنیفہؒ امام مالک نے ان کی بھی تائید و حمایت کی امام ابو حنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کو محمد ذو النفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں[2]۔

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف

---

[1] (مناقب امام ابو حنیفہ لبزازی بحوالہ ابی زہرہ ص ۱۶۴)

[2] تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دارالعمل ہے۔ کوششوں کی جزاء کی اصل جگہ آخرت ہے۔ اس دنیا میں اہلِ حق صلحاء بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جائر کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبرو ان سے قائم ہے جنھوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں کبھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انھوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انھوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوفہ کے نومسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبدالرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور شعبی جیسے بزرگ شامل تھے، عبدالرحمان کا ساتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصریؒ کہا کرتے تھے

> "امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں"

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے

هذه كانت سيرة العلماء و	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا بھی
عادتهم في الامر بالمعروف	دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت

وَالنَّہی عَنِ المُنْکرِ وَقِلَّۃ مُبالاتہم بسَطوۃِ السلاطین لٰکنّہم اِتّکلوا علیٰ فَضلِ اللّٰہ تعالیٰ ان یّحرِسہم ورَضوا بحکمِ اللّٰہ تعالیٰ ان یرزقَہم الشہادۃ۔

اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انھیں اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگراں اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ انھیں شہادت نصیب ہو[1]

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ

جمہور علماء اہلِ سنت حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہلِ سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں یہ لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام درست نہ تھا

یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسینؓ کے برسرِ حق ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں کے اہلِ بیت یا غیر اہلِ بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہلِ علم و دین سے بعض وقت ایسی نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جس میں کچھ ظن و وہم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابلِ اتباع نہیں ہوتا۔"

(۲) "مسلمانوں کے اکابر اہلِ علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے خلاف اہلِ مدینہ خروج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن مسیب اور علی بن الحسین (زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہٰذا اہلِ سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ

---

[1] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۵۱ باب امر بالمعروف والنہی عن المنکر)

ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں۔ علماء اہلِ سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کر کے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جور و ستم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے ...... یہی وجہ تھی کہ جب حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہلِ علم و دین مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابو بکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا[1]۔"

علامہ ابنِ تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعی عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہلِ سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بہت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہلِ سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضۂ اطہر کی طرف اشارہ کر کے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحبِ قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے

کُلٌّ یُوخذ منہ ویُردّ علیہ الا صاحب ھذا القبر

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبحر علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلّم ہے۔ ان کی زبان ابر گوہر بار تھی ان کا قلم تیغ اصیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضۂ اقدس کی زیارت اور تطلیقاتِ ثلاثہ وغیرہ

---

[1] منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲ ۱۲ ۱۳ ۔ ۳۱۴

کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردّ شیعت کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقاید اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؓ کو برسرِ حق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام بوجہِ فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔[1]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابلِ ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافتِ عامہ باقی رہے۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظامِ خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

ظالم حکمراں کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابنِ حزم کا موقف

علّامہ حافظ ابنِ حزم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شاہانِ حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے

---

[1] اردو ترجمہ شرح عقائد نسفی ص ۲۳۶

عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عاید کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔[1]

اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمراں کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم و جور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقۂ کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو بربنائے کتاب و سنت ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب و سنت دونوں میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ حد اور حق قائم کیا جائے اور انھیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب و سنت کے مطابق عمل اور امن و امان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انھیں منصبِ خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب و سنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمراں کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔[2]

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم و جور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے بُرا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض احادیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطۂ نظر کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمراں کی طرف سے زد و کوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورتِ حال

---

[1] رسالۃ التلخیص لوجوہ التخلیص صفحہ ۱۷۳ - ۱۷۴

[2] الفصل صفحہ ۱۶۷ - ۱۷۶ ج ۴

کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب وسنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔ کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہئے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویّہ اختیار کیا جائے۔[1]

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے یہ جواب دیا "تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو"۔ پوچھا گیا! "اگر وہ میری جان کے درپے ہو جائے تو میں کیا کروں؟" آپ نے فرمایا "تم بھی اس سے قتال کرو"۔ پوچھا گیا "اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟" آپ نے جواب عنایت فرمایا "وہ مقتول جہنمی ہوگا"۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا "اگر میں قتل کیا جاؤں تو" آپؐ نے فرمایا "تم جنت پا جاؤ گے"۔ یہ حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔[2]

علّامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خوں ریزی ہوگی، اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسرپیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور بسا اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل

---

[1] الفصل صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ ج ۴

[2] الفصل صفحہ ۱۷۳ ج ۴

نہیں۔ اہلِ کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنائے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہلِ کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہٰذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ رو مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصود کتاب و سنت کی عملداری ہے[1]۔

علامہ ابنِ حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمراں کا معاملہ یہ ہوگیا ہو اس کو کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روحِ اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمران کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہلِ حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے[2]۔

فاسق وفاجر حکمراں کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف

جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں علانیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش اس پہ کارگر نہ ہوسکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمراں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں۔

> ”رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً

---

[1] الفصل صفحہ ۱۷۳ ج ۴

[2] الفصل صفحہ ۱۷۵، جلد ۴

> آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہو سکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباسِ حریر زیبِ تن کرتا ہو تو اس کا دامن و گریبان پکڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انھیں زبردستی توڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب داب اور ہیبت و حشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امرِ منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبطِ بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔[1]

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آ گئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بدکردار ہو اور اس کا ظلم و جور حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمراں کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے

---

[1] احیاء علوم الدین جلد دوم، باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابوبکر جصاص کا موقف

"گذشتہ تمام متقدمین و متاخرین اہل دین وفقہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ وفساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فقاتلوالتی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے) آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم وجور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم وجور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائر پر نکیر نہ کرنے کا[1]

---

[1] احکام القرآن جلد دوم صفحہ ۳۴

ابو المعالی امام الحرمین کا نقطۂ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے

من رأی منکم منکراً فلیغیّرہ بیدہ فان لم یستطیع فبلسانہ فان لم یستطیع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت وطاقت کے استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں

واذا جار والی الوقت وظهر ظلمہ وغشمہ ولم ینزجر حین زُجر عن سوء صنیعہ بالقول فلاهل الحل والعقد التواطؤ علی خلعہ ولو بشهر الاسلحۃ ونصب الحروب هذا کلام امام الحرمین

وقت کا حکمران اگر ظلم پر کمربستہ ہو اور ظلم و جور کا پہلو بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل و عقد کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔[1]

واقعۂ کربلا کی دینی و شرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؓ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین کے درمیان متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات

---

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۱ صفحہ ۵۲

کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے

انه تصيب فى امتى فى آخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ينجو منه الى رجل عرف دين الله فجاهد عليه بلسانه و يده وقلبه فذلك الذى سبقت له السوابق ورجل عرف دين الله فصدق به ورجل عرف دين الله فسكت عليه فان رأى من يعمل الخير احبه عليه وان رأى من يعمل بباطل ابغضه عليه فذلك الذى ينجو على ابطانه كله

یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ بس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی و اخروی سعادت آگے بڑھے گی ۔ اس کے بعد مرتبے کے لحاظ سے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا[1]

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الادب فی الامر بالمعروف ونہی عن المنکر

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یمنعنّ رجلا مہابۃ الناس ان یتکلم بالحق اذا علمہ الا انّ افضلَ الجہاد کلمۃ حق عند سُلطانٍ جائر	کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دبدبہ حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے[1]

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابیؒ کہتے ہیں۔

> " یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمنِ اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہوگا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف کا حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہوگا۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی۔[2]

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امراء و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ لیکن جب صورتِ حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں

---

[1] مسند احمد و ترمذی کتاب الفتن

[2] معالم السنن جلد ۴ صفحہ ۳۵۰

اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوۃ ہو نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہو اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہلِ عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نودی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے

وقد ردّ علیہ بعضهم هذا بقیام الحسین وابن زبیر (ای خروجهما علی یزید) واهلِ المدینۃ علی بنی امیہ وبقیام جماعۃ عظیمۃ من التابعین والصدر الاول علی الحجاج مع الاشعث۔

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر کے اقدام سے اور اہلِ مدینہ کے بنی امیہ کے خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدر اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری سے حجت اور دلیل پیش کی[1]

یعنی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہلِ مدینہ کے صلحاء کا بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوانِ حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہِ مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسین نے پیش کی۔

صدرِ اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسنؓ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؓ کی۔ بالفاظِ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسن

---

[1] شرح صحیح مسلم ج دوم صفحہ ۱۲۵

کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسینؓ کا موقف ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے ناصبیوں کے گروہ نے اہلِ بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ ناصبی ہیں ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابنِ حجرؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں

حافظ ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری میں ابنِ تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلاء کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ” ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنتِ نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت و حمیت میں نکلے۔ یہ سب اہلِ حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور اہلِ مدینہ جنھوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہلِ علم و دین جو حجاج سے برسرِ پیکار ہوئے جن کا شمار اہلِ حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔[1]

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں۔

> ” جو کسی ایسے حکمراں کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۰

یا اہل وعیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمراں کی مخالفت کریں تو ان سے قتل وقتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے۔"

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

"اور اسی صورت پر محمول ہو گا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہلِ مدینہ کے ساتھ اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنھوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔"[1]

انعقادِ امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصولِ حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام اربابِ حل وعقد کی برضا ورغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اهل الحل والعقد علیه کلهم	امام وہ ہے جس پر تمام حل وعقد کے قول کا اتفاق ہو۔[2]

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۳ - ۲۵۴

[2] الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلی الحنبلی صفحہ ۴،

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہلِ ایمان کا اور خاص طور پر اہلِ صلاح وتقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انھوں نے خلیفۂ عباسی منصور کے سامنے کہی تھی:

ما اجتمع علیک اثنان من اھل التقوی والخلافۃ تکون باجتماع المؤمنین ومشورتھم [1]

تمھاری خلافت میں دو اہلِ تقویٰ کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علماء نے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر علماء کے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہوسکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

وھو ان تکون النفوس قد سکنت الیہ وکلمتھم علیہ اجمع [2]

نفوس اس کی طرف سے راضی اور مطمئن ہوں اور اس کے بارے میں اجماعِ کلمہ ہو چکا ہو۔

اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔

ویُعتبر فی المعھود الیہ شروط الامامۃ وقت العھد الیہ واستدامتھا الی مابعد المولی [3]

جس شخص کو جانشین اور ولی عہد بنایا جائے اس کے لئے بوقتِ ولیعہدی شرائطِ امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جانشین بنانے والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مدّنظر رکھا جائے تو یزید لائقِ امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

---

[1] ابوحنیفہ للشیخ ابی زہرہ صفحہ ۱۶۵

[2] الاحکام السلطانیۃ ۴

[3] الاحکام السلطانیۃ صفحہ ۹

"باجماعِ مؤرخین ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسینؓ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائقِ امامت کے نہ دیکھا...... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجۂ شہادت کو پہنچے"[1]

تنہا شاہ عبد العزیزؒ محدّث دہلوی نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فصل پنجم میں شہادت امام حسینؓ اور واقعۂ حرہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے:

اعوذ باللہ من رأس الستین وامارة الصبیان۔	میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں سنہ ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یشیر الی خلافة یزید بن معاویة لانہا کانت سنة ستین من الهجرة	"اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت سنہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔"[2]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققینِ دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جا سکتی نہایت نادرست قول ہے۔ اس

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ در خواص مذاہب شیعہ:

[2] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳

موضوع پر مولانا قاسم نانوتویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

„ جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی "

„ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرنے کے لائق ہو گیا "

„ شاید اس وقت اربابِ حق وعقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آگیا۔ اور بدرجۂ مجبوری بادلِ ناخواستہ بیعت قبول کر لی ..... اور جس کو ایک جماعتِ کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہلِ کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی "

„ موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا۔[1]

خلافتِ راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک زریں عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی باز آفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہلِ عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافتِ راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جانے

---

[1] قاسم العلوم ج۲ صفحہ ۱۳ بحوالہ مکاتیب شیخ الاسلام از مولانا حسین احمد مدنیؒ۔

اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجے میں وہ وقفے ملتے ہیں، جن سے خلافت راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انھیں ٹوکنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمۂ حق زبان پر لانا اسی خلش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلّم ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے ذریعہ خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولیعہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبانِ نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصولِ حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

ان اللّٰہ یأمرکم ان تؤدّوا الامانٰت
الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس
ان تحکموا بالعدل ط انّ اللّٰہ نعما
یعظکم بہ ط انّ اللّٰہ کان سمیعًا
بصیرا ہ یاایھا الذین اٰمنوا
اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم فان تنازعتم
فی شیٔ فردوہ الی اللّٰہ والرسول
ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم
الاٰخر ط ذالک خیر واحسن تأویلا ہ[1]

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں اور اے حاکمو۔ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تمھیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو پس اگر تمھارے درمیان (تمھارے اور اولوالامر کے درمیان) کسی بات پر نزاع ہوجائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتمی فیصلہ کے لئے لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے[1]

---

[1] النساء ۵۸ - ۵۹

تحت اقتدار منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نااہل افراد کو یہ امانت سپرد نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) —— اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔

(۲) —— حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کرکے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار و حکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظِ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخبہ ہونا چاہئے۔

(۳) —— منصب حکومت پر صرف حقدار اور اہل (الی اھلہا) شخص کو بٹھانا چاہئے۔

(۴) —— حکام کے لئے عدل و انصاف کا حکم ہے یعنی ظلم و جور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابلِ تنسیخ ہو سکتا ہے۔

(۵) —— حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔

(۶) —— محکوم کو حاکم سے نزاع و اختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت ہو۔

(۷) —— قرآن و سنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن و سنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

(۸) —— قرآن و سنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہیے۔

(۹) —— صلاح و فلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفۂ اسلام کے لئے متعدد شرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل و بالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق و فاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔

اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ تھی تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت ـ صلوٰۃ کے نہ کرنے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنھوں نے نبوت کا اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسندِ حکم رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقلِ عام کے بھی خلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا تیرا

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دور اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہلِ قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرتِ عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہل دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقاہت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجہ مجبوری اور بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؓ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

„لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی. ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے، مالِ غنیمت میں اپنا حصّہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے“[1]

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہلِ مکّہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؓ کے مقامِ عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

اما واللّٰہ لقد قتلوہ طویلاً باللیل قیامہ کثیراً فی النہار صیامہ احق بماھم فیہ منھم واولی بہ فی الدین والفضل اما واللّٰہ ماکان یبدل بالقرآن الغناء ولا بالبکاء من خشیۃ اللّٰہ الحداء ولا بالصیام شرب الحرام ولا بالمجالس فی حلق الذکر الرکض فی تطلاب الصید (یعرض یزید) فسوف یلقون غیاً۔[2]

خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل گیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین و فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے بخدا وہ تلاوت قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوفِ الٰہی سے رونے کے بجائے نغمہ و سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکرِ الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا

---

[1] ابن کثیر ج ۲ [2] طبری ۳۷۳

کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں)
سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے
دوچار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فبسط ابن الزبیر لسانه فی یزید بن معاویه تنقصه وقال بلغنی انه یصبح سکران ویمسی کذلک[1]

عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید بن معاویہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص و مذمت پر ائمہ دین و علمائے اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور جس کی شخصیت اہلِ دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت رہی ہے، اور واقعۂ کربلا اور واقعۂ حرّہ کے بعد جس کی تعریف و تحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض اہلِ قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کے سیاہ چہرہ کو پُرکشش بنانے اور سواد کو بیاض سے بدلنے کی سعیِ لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کر رہے ہیں جو میدانِ کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہؒ بن یزید کی شہادت

قلّد ابی الامر وکان غیر اهله ونازع ابن بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقصف عمره وانبتر عقبه وصار قبره رهیناً بذنوبه بکی وقال

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر

---

[1] انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۱

ان من اعظم الامور علینا علمنا لسوء مصرعه وسوء منقلبه وقد قتل عترة رسول الله واباح الخمر وخرّب الكعبه [1]

رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے ۔ اس نے رسول اللہ کے قرابت داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور بیت اللہ کو ویران ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت

حدثنا نوفل بن ابی اقرب کنت عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید بن معاویه فقال امیر المومنین یزید فقال له عمر تقول امیر المومنین فامر به فضربه عشرین سوطاً [2]

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاوؔ کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیر المومنین یزید کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے ؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی ۔

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

کونه عادلاً فی کل اموره مطیعاً لله فی جمیع افعاله لیس اعتقاد احد من ائمة المسلمین ۔ [3]

یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا یہ ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ۔

---

[1] الصواعق المحرقہ ص ۱۳۴

[2] لسان المیزان ۔ ترجمہ یزید بن معاویہ ج ۶ ۔ [3] منہاج السنۃ ص ۲۴۰ ج ۳

"وضع الید فی الید" کی روایت

حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ایک شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؓ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؓ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکانے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و انقیاد ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فیری فیما بینی و بینہ رایہ

میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کیا رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔

امام حسینؓ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہ وہی تجویز ہے جو حُر بن یزید تمیمی نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حشم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؓ اس تجویز پر راضی ہو گئے یہی وہ تجویز تھی جسے

وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؓ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے، ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیش کش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

”وتواصوبالحق وتواصوبالصبر“ پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؓ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن میں گھاٹے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں وتواصوابالحق وتواصوابالصبر آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کنبے اور محلے سے لے کر نظام حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے نظام وقت اور نظام حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہرحال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ بصورتِ دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوسِ قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت ولیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے ــ

یہ بازیٔ عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں حکمراں طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے مکمل اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے بازپرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمۂ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور مفسدہ پردازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور اخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہادِ افغانستان تک وہی شوقِ شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہلِ ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق، چاپلوسی، اور مداہنت کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح و مناجات باقی رہ جاتی جو جمادات و نباتات زاحفات و حشرات کا دین ہے۔ وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا جو مردانِ احرار و حق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعہ کربلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے

کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویۂ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دینِ اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں، انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوفِ خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر و عبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دینِ اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وہ کام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر و شغل اور تسبیح و تلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیۂ نفس کا کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اقتدارِ وقت پر دین کی بالادستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علّامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

اگر حالات سازگار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کر لیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لا یکلّف نفساً الّا وسعہا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کا مبلّغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اس کی آرزو تک باقی نہ رہے

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے

۱۔ احبّ اهل بیتی الحسن والحسین[1]   مجھے اپنے اہلِ بیت حسن اور حسین سے محبت ہے"

---

[1] ترمذی

۲- عن زید بن ارقم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعلی و فاطمہ والحسن والحسین انا حرب من حاربھم و سلم لمن سالمھم۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے[1]

۳- ھما ریحانتای من الدنیا

حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں[2]

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی:

۴- ارقبوا محمداً صلی اللہ فی اھل بیتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔[3]

بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:
"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہلِ قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰

[2] صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

[3] بخاری باب مناقب قرابۃ رسول اللہ

من ينسب لعبد المطلب مؤمناً كعلي وبنيه	جس مسلمان کا رشتہ نسب عبد المطلب سے ملتا ہو جیسے علیؓ اور ان کے دونوں لڑکے

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت بالخصوص حضرات حسنین پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گذشتہ بحثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علمِ کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حق حضرت حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزء اس لئے غالباً بنا دیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

والحق ان رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بذلك واهانته اهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه وان كان تفاصيلها احاداً [1]	اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہلِ بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں'

ان احادیث اور ائمہ و علماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن و فکر کا جائزہ لیا جائے اور تحلیلِ نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصورِ دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ کافی ہے۔ خلیفہ کیسا ہو عقدِ خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبر و استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر سیاسی معاملات کا براہِ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کر کے حضرت

---

[1] شرح عقائد نسفیہ ۱۴۷ طبع مصر

حسینؓ نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی ۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت ۔۔ یعنی رد شیعیت میں اتنا غلو کہ اہلِ بیت سے اور خاص طور پر سبطِ رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور یزید پر لعنت و ملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور خو محسوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے ۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقدِ شیعیت میں انتہا پسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضراتِ حسنین سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے ۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشقِ رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلاء کے دور میں ترقی پذیر ہے ۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آجاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہؐ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبداللہ سے ۔۔ یعنی ذاتِ گرامی کی تشریعی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے ۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے ۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبطِ رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے ۔ لیکن ابھی تک مخالفین حسینؓ اور مؤیدین یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہوگا کہ محبت اہلِ بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے ۔

سچ یہ ہے کہ عشقِ نبوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریعی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نص صریح موجود ہے اور اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لیے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں ۔ دین کے اصل مزاج کے بقاء اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی ۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالے سے واقعۂ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے اور حضرت حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی کوئی خوردبینی کا آلہ موجود ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جا سکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آب حیات سے تخم دل کی آبیاری نہ صرف واقعۂ کربلا کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخۂ شفا ہے جس سے قلب و نظر کی بیماریوں کے بہت سے مریض شفایاب ہو سکتے ہیں۔

شہدائے کربلا پر افتراء

از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

نواصب کون ہیں

"نواصب" "ناصبیہ" اور "اہلِ نصب" تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل واصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری "اساس البلاغہ" میں لکھتے ہیں۔

وناصبت لفلان، عاديته نصباً ومنه الناصبية والنواصب، واهل النصب الذين ينصبون لعلى كرم الله وجهه،	نَاصَبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر "ناصبیہ" "نواصب" اور "اہلِ نصب" کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبرّی وبیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہٖ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہؓ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو "شیعہ مروانیہ" "شیعہ امویہ" اور "شیعہ عثمانیہ" بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی مشہور و معروف کتاب "الخطط والآثار فی مصر والقاہرۃ والنیل وما یتعلق بہا من الانہار" میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ایام بنی امیۃ ببنی العباس فی سنۃ ثلاث وثلاثین ومائۃ خمدت جمرۃ اصحاب المذھب المروانی وھو الذین کانوا یسبون علی بن ابی طالب ویتبرؤن منہ، وصاروا بعد ظہور بنو العباس یخافون القتل ویخشون أن یطلع علیھم احدٌ الا طائفۃ کانت بناحیۃ الواحات وغیرھا، فانھم اقاموا علی مذھب المروانیۃ دھراً حتی فنوا ولم یبق لھم الاٰن بدیار مصر وجود البتۃ۔

(ج ۲ ص ۳۰۸، ۳ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

جب مروان (الحمار بنی امیہؓ کا آخری تاجدار) قتل ہوگیا اور بنی امیہؓ کے ایامِ حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۲ہجری میں ختم ہوگئے تو اصحابِ مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ پر تبرا اور سب و شتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو "واحات" (مصر کے بالائی مغربی علاقہ) وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

بالآخر وہ بھی فنا ہوگئی اور اب دیارِ مصر میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی نہیں۔

برصغیر میں ناصبیّت کی تحریک

اور برصغیر ہند و پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امروہوی نے "خلافتِ معاویہؓ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرینِ حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصبیت" کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا کام ہی اہلِ سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلسِ حضرت عثمانِ غنی"[1] کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصبی سازش" کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی تقطیع پر بیالیس (۴۲) صفحات کا ہے جس کا نام ہے "داستانِ کربلا حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۱۰۵۳ کورنگی نمبر ۹ کراچی نمبر ۳۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعاتِ "مجلس حضرت عثمانِ غنیؓ" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلسِ عثمانِ غنی کا تعارف اور پروگرام

لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان

---

[1] اب اس کا نام بدل کر "اکابر صحابہ پر بہتان" کردیا گیا ہے

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

"مجلس حضرت عثمان غنی" دراصل تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے جس کے پیشِ نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار و اشرار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا ...... لیکن چونکہ اولین اہلِ قلم .... عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں، جن کی شوکت و حکومت .... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ...... پیوندِ خاک ہوئیں، بنابریں، انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدرِ اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں جم گئیں ..... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حق و انصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قوم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے پیشِ نظر ہے ......

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۳۰ و ۳۱)

"مجلس حضرت عثمان غنیؓ" نے تطہیرِ تاریخ اور تصفیۂ اذہان کی جو مہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو "اکابر صحابہ پر بہتان" میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیے!

اس کتابچہ کا نام "داستانِ کربلا" حقیقت میں اسم بامسمّٰی ہے عربوں کے کاہنوں کی طرح ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے "داستانِ امیر حمزہ" کی طویل وعریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیرواں نامہ، ہرمز نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم نوخیز جمشیدی، طلسم زعفران زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو سچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معدیکرب، مالک اشتر، لندھور ابن سعدان، نوشیرواں، بزرچمہر، افراسیاب، زمرد شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن "داستانِ امیر حمزہ" پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ احمق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو سچ باور کرتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے "داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قران" کی طویل وضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ "داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قران" کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفریں ہے "مجلسِ عثمانِ غنیؓ" کے ارکان اور اس مجلس کے ہیرو احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر "داستانِ کربلا" لکھی اور اس پر بصد طمطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

"حقائق کے آئینہ" میں سپردِ قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ، بے حیا باش و ہر چہ خواہی کُن۔

"مجلسِ عثمانِ غنی" کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گویوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجیے۔

خودساختہ "داستانِ کربلا"

"داستانِ کربلا" کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

> بعث اھل العراق الی الحسین الرسل والکتب یدعونہ الیھم فخرج متوجھاً الیھم فی اھل بیتہٖ وستین شخصاً من اھل الکوفۃ صحبۃ۔ (البدایہ والنہایہ، جزء نہم ص ۱۵۳)
>
> ۲۲ رجب ۶۰ھ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی شعبان ۶۰ھ میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔
>
> کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آ کر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد پہ قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آ رہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

> اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آ جائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہلِ بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔"

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیر یزید کے ہاتھ پر ماسوا عبداللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر، اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ۱۸۹ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زرودبہ پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زَرُوْد، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداریوں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلنے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردّد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زَرُوْد میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا...... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

> میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافتِ حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساٹھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آ جائیں، اہلِ کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کرا دیا، اس لیے اب، میرے سامنے یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں"

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو اس صورتِ حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے قبلت کہہ کر منظوری دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام "واقصہ" سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب "القرعا" اور "مغیثہ" کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ محرم کی شب کو "العذیب" اور "قصرِ مقاتل" کی منزلیں طے کر کے آپ نے "الطف" کی سرسبز و شاداب زمین میں "کربلت" کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی "کربلت" کو "کرب و بلا" کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ "کربلت" عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں[۱]

---

[۱] یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناصبیوں کے "امام التاریخ" عباسی صاحب یہ لکھتے ہیں، "ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین "کربلا" کہلاتی تھی، جو روڑوں کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر "کربلا" کہلاتی تھی" (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم) یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع "کربلا" کا تو ذکر آتا ہے مگر "کربلت" نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

کربلا دریائے فرات سے بیس میل دور اور کوفہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا،

> "افسوس تمہیں لوگ ہو جنھوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون، طبری)

ساٹھوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے، لیکن ان سے جدا ہونا ابن زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابن زیاد کا فوجی دستہ ساتھ ہی ہے! اس لیے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوابی کارروائی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی، حر، شمر اور عمر بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے، شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس اس دوران حضرت حسین کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے جعفر، محمد، عبدالرحمٰن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی[1] بھی مارے جا چکے تھے

یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حر خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، حر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو "کربلا" کے بجائے "نینوا" کے مقام پر پیش آیا۔ بہرحال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، اُن کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ بلکہ دستے کے بعض سواروں نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندانِ علی کے

---

[1] اس نام کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔

نے کچھ افرادِ خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ پہنچ جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنھیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے فرمایا،

> "اے غدارو! اے مکارو میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔!!"

خاندانِ علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے مہمان رہے، پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آکر جوارِ رسول میں حسبِ سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے "مجلسِ حضرت عثمانِ غنی" یعنی حال کے "مذہب مروانی" کے "داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گذری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ "شیعانِ اموی" کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے، کیونکہ شیعانِ بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفۂ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجا لائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کارروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ الٹا الزام مظلوموں کے سر تھوپا جائے۔ واقعۂ کربلا کی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حرہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کارِ شر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہشیاری اور چالاکی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہ و تابعین اور اہلِ بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن نکلے جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح

(۱) چنانچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل ان ساٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی معیت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو ورغلانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے ورغلانے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کرلیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب نے باہم صلاح و مشورہ کرکے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظ دستہ جو کاروانِ اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور آپ کے اہلِ بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ" " مجلس حضرت عثمان غنی " کے " امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی " کا (جس کے لیے یہ " ناصبی " رحمۃ اللہ " بھی لکھتے ہیں) یہ بیان ہے۔

لہ " مجلس حضرت عثمان غنی " نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ " علی المرتضیٰ " کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۲ پر یہی الفاظ ہیں

" امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ "

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور علمی گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی ناقص ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہلِ علم حضرات اگر ان کی تالیف " خلافتِ معاویہ و یزید " میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان " علامہ صاحب " کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی " شیخ الاسلامی " کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امروہہ کے بہت سے احباب

"امیر عبید اللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امنِ عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہلِ خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت ......

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے "......

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتلِ حسین کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہو گا......

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابھی زندہ ہیں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآن کریم کے بارے میں جو وہ اظہار خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی جب نشر و اشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

وابستگی سے ہٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں، ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آ رہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر[2]۔ انھوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی..... چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

---

[1] عباسی صاحب تو ان کوفی شہداء کو جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت میں اپنی جانیں نثار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور "مجلس حضرت عثمان غنی" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

[2] کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح کے بعد اہل عراق پر کوئی دار و گیر نہیں ہو گی۔

موقف پر قائم رہیں ......

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رض کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں ......

حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے"...... امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ، مزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعتِ عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے

گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکّہ معظّمہ کو روانہ ہو گئے، حکامِ کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی، یہ موقع ہاتھ آ گیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا، کہ انتہائی عاقبت نا اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین[1] نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثۂ حزن انگیز پیش آ گیا،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ،

> "گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور صوبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعانِ علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین اور ان کے مٹھی بھر تابعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۲)

---

[1] جن کے کہے پر عباسی صاحب کا ایمان ہے۔

عمر بن سعد امیر عسکر نے .... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی ......

حضرت حسین رض کے مقتول ہوجانے پر ابن سعد پر رنج اور صدمے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے.....

انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سپاہیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جسکا بین ثبوت خود انہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر ۷۲ مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی ۸۸ مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسین رض کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسین رض کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی)

طبع چہارم ، ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱)

شیعانِ اموی" مجالسِ حضرت عثمانِ غنی" کے "امام التاریخ" کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجیے کہ ناصبیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہلِ بیت، اور ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعانہ جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھاسی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آناً فاناً میں حسینی قافلے کے بہتر ۷۲ نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستۂ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلسِ شیعانِ عثمان" کے داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جدا ہے، اس میں مذکور ہے کہ، عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی، بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو ان کوفیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستۂ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کفِ افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین و مغضوبین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن "مجلس حضرت عثمان غنی" کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز و طبع زاد ہے۔ بہرحال اب شیعانِ اموی "مجلس عثمانِ غنی" کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکینِ مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور "داستان گو" دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی

(۲) "داستان گو" صاحب کی حساب دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ ۲۸ر رجب سے لے کر ۱۰ر ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ رجب کا چاند اگر تیس ۳۰ دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن اگر یہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

"۲۸ر رجب سنہ ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی"

(داستان کربلا ص ۲)

"منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ر تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے

لیے روانہ ہوئے، اس وقت امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے۔ (داستانِ کربلا ص ۴۴)

سچ ہے ع دروغ گو را حافظہ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح

(۲) "داستانِ کربلا" (ص ۵۵) پر جو یہ مرقوم ہے کہ

"دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کرکے اپنے والد کی طرح اہلِ شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا، حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنھوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے۔"

(جلاء العیون طبری)

سو محض غلط ہے "داستان گو" صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیبِ داستاں کیلئے

اس لیے انھوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقامِ شراف سے چل کر (جو واقصہ سے دو میل پر ہے) "کوہِ ذی حسم"، کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حُر بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ تمازتِ آفتاب نے حُر اس کی فوج اور سواریوں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساقیِ کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خُدّام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کی سواریوں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیلِ حکم میں دیر نہ لگی اور اوّل سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔ حُر کو قادسیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کاروان کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ میں لا کر پیش کیا جائے، عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطقطانہ سے لے کر خفّان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت کے مطابق اس نے اپنے سامنے حُر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کے لیے فرمایا۔ حجاج نے اذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا، وازار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

ایها الناس انها معذرة الی الله	لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

عزوجل و الیکم، انی لم آتکم حتیٰ اتتنی کتبکم وقدمت علیّ رسلکم ان اقدم علینا فانہ لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا بك علی الھدٰی فان کنتم علیٰ ذالك فقد جئتکم فان تعطونی ما اطمئن الیہ من عھودکم و مواثیقکم اقدم مصرکم وان لم تفعلوا وکنتم لمقدمی کارھین انصرف عنکم الی المکان الذی اقبلت منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ج ۸ صـ ۳۰۱)

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ "آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر دے۔" سو تم اب بھی اگر اسی بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ جس سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حرؔ اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؔ سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتدار میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ آپ نے ظہر کی امامت فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرؔ اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

اما بعد، ایها الناس، فانکم ان تتقوا و تعرفوا الحق لا ھلہ یکن ارضی للہ، ونحن اھل البیت اولی بولایۃ ھذا الامر علیکم من ھؤلاء المدعین مالیس لھم، والسائرین فیکم بالجور والعدوان وان انتم کرھتمونا وجھلتم حقنا، وکان رأیکم غیر ما اتتنی کتبکم، وقدمت بہ علیّ رسلکم انصرفت عنکم (طبری ص [illegible] ج ۵)

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اہل حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ تعالےٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے اور ہم اہل بیت ان ناحق کے مدعیوں، اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے منکر ہوتے ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے جاتا ہوں۔

اب حُرّ نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللہ ماندری ماھذہ الکتب التی تذکر۔ (ص [illegible] ج ۵)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ذرا وہ دونوں خرجینیں تو لاؤ جن میں میرے نام ان کوفیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ دونوں خرجینیں جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لاکر خالی کر دی گئیں اور آپ نے ان خطوط کو پھیلا کر ان کے سامنے ڈال دیا، حرّ نے اب بھی یہی جواب دیا کہ،

فانا لسنا ھؤلاء الذین کتبوا

ہم تو وہ نہیں ہیں جنھوں نے

الیک، وقد امرنا اذا نحن لقیناك الّا نفارقك حتی نقدمك علی عبید اللہ بن زیاد (ص ۲۰۲ / ۵ - ج)	آپ کو خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آمنا سامنا ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں

جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی نے فرمایا۔

الموت ادنی الیک من ذلك	اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ قریب ہے

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرّ اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حرّ سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرّ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید واللہ ان انطلق بك الی عبید اللہ بن زیاد (ص ۲۰۲ / ۵ - ج)	بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اذن واللہ لا اتبعك۔	خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں تیرا تابع نہیں ہو سکتا۔

اس پر حرّ نے کہا۔

اذن واللہ لا اَدَعُكَ	خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حرّ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو یزید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالےٰ اس میں کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلاء پیش آئے "

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عذیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حرؓ کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام "بیضہ" پر پہنچے جو واقصہ اور عذیب کے مابین پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ "داستان گو" نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

> " دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ آپ نے یہاں تک فرمایا الخ " ("داستانِ کربلا" ص ۷،۸)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام و نشان تک نہیں جو "داستان گو" نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسين خطب أصحابه و أصحاب الحرّ بالبيضة فحمد الله واثنى عليه ثم قال ايها الناس ان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال " من رأى سلطانا جائرا مستحلًا لحرم الله ناكثا لعهد الله

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مقام "بیضہ" میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور حرؓ کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالےٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے " جو کسی ظالم حکمران کو اس

مخالفاً لسنة رسول الله يعمل في عباد الله بالاثم والعدوان فلم يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقاً على الله ان يدخله مدخله، الا وان هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمٰن واظهروا الفساد وعطلوا الحدود فاستأثروا بالفئ، واحلوا حرام الله وحرّموا حلاله، وانا احق من غيّر قد اتتني كتبكم وقدمت علي رسلكم ببيعتكم انكم لا تسلّموني ولا تخذلوني فان تممتم على بيعتكم تصيبوا رشدكم

فانا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، نفسي مع انفسكم واهلي مع اهليكم فلكم فيّ اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم عهدكم وخلعتم بيعتي من اعناقكم فلعمري ما هي لكم بنكر لقد فعلتموها بأبي واخي وابن عمي

حال میں دیکھے کہ وہ محرماتِ الٰہی کو حلال کر رہا ہو، اللہ تعالےٰ کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلمؐ کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالےٰ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا کرے تو اللہ تعالےٰ اس کو بھی اسی کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب ہیں "خبردار! ان لوگوں (حکمران ٹولے) نے رحمٰن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ملک میں فساد پھیلا دیا۔ حدود الٰہی معطل کر دیں، مال غنیمت اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط میرے پاس آ چکے ہیں اور تمہارے قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقیل، والمغرور من اغتر بکم فحظکم اخطاتم، ونصیبکم ضیعتم، ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ وسیغنی اللہ عنکم والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳
طبع دارالمعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء)

ومددگار نہیں چھوڑو گے پھر اگر تم اپنی بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد وپیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کا اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ہو تو بجان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ، میرے بھائی، اور میرے برادر عمزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی قسمت کو خراب کیا "جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے گا۔" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے "مقتل حسین" کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام "بیضہ" پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حر اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

اپنے اُن اصحاب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہم رکاب تھے، حرؔ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازمِ مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرؔ اور اس کا رسالہ سدِّ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ”داستان گو“ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فریبی کا پردہ چاک ہوگا۔

بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساٹھ کوفیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کے سامنے میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)۔ اور طبری میں ”داستان گو“ صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

”جلاء العیون“ کے بارے میں اسی ”داستانِ کربلا“ کے الفاظ ہیں

”شیعہ کتاب جلاء العیون“

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ”داستان گو“ صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ دروغ گوئی اور بہتان طرازی روافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ ”مجلسِ حضرت عثمانِ غنی“ کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنۃ والجماعۃ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر

اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغویات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفاء ثلاثہؓ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمانؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ "نواصب" کو اگلے زمانہ میں "شیعہ عثمانؓ" "شیعہ مروانیہ" اور "شیعہ امویہ" کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہؓ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ "مجلس عثمان غنیؓ" بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمانؓ "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں سچ ہے۔

ما سلم الصدیق من رافض
ما نجی من ناصبین علیؓ

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے تبرا سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)

تیسرے جھوٹ کی تشریح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا

(۴) "داستان گو" صاحب نے "البدایہ والنہایہ" کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا حوالہ غلط دیا یعنی (جلد نہم صـ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

"البدایہ والنھایہ" مشہور عربی تاریخ ہے"

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی "البدایہ والنھایہ" کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انہٗ قد	یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی
بلغنی ان حسیناً قد سار الی الکوفۃ	ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں،
وقد ابتلی بہ زمانک من بین	اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں
الازمان و بلدک من بین البلدان	میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا
و ابتلیت انت بہ من بین العمال،	ہے اور گورنروں میں تو خود ان کے معاملہ
وعندھا تعتق او تعود عبداً کما	میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت
ترق العبید وتعبد فقتلہٗ ابن	میں یا تو تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس
زیاد، وبعث برأسہ الیہ۔	طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے
(ج۔ ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)	تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد
	نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر
	یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی "البدایہ والنھایہ میں یہ بھی ہے کہ

ولبعث عبید اللہ بن زیاد عمر	عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت
بن سعد لقتالھم.	حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان
(ص۱۷۵ / ج-۸)	کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

اور یہ بھی کہ

وابطأ عمر عن قتاله فارسل ابن زياد شمر بن ذى الجوشن و قال له ان تقدم عمر فقاتل والا فاقتله وكن مكانه فقد وليتك الامرة - (ج-۸ ص ۱۷۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جائیو اور نہ عمر (ابن سعد) کو قتل کرکے اس کی جگہ خود سنبھال لیجئو، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں"

اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی "البدایہ والنہایہ" ہی میں یہ بتائی ہے کہ

وكانوا اربعة الاف يريدون قتال الديلم، فعينهم ابن زياد وصرفهم الى قتال الحسين -

(صـ ۱۶۹ / ج-۸)

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لیے متعین کیا۔

عمر بن سعد کو تعمیل حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،

فوثب الى فرسه فركبها ثم دعا بسلاحه فلبسه وانه لعلى فرسه ونهض بالناس اليهم فقاتلوهم فجئ برأس الحسين الى ابن زياد فوضع بين يديه فجعل يقول بقضيبه فى انفه و

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات کے مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

یقول ان ابا عبد الله کان قد شمط	حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال دیا گیا اور ابن زیاد اپنی چھڑی آپکی ناک پر رکھتا اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

(ج ۸ ص ۱۷۱)

شمر اپنی خباثت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے جامِ شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ وتنہا میدانِ قتال میں ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرمایا تھا،

صدق الله ورسوله قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كأنى انظر الى كلب ابقع يلغ فى دماء اهل بيتى	اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں اس چتکبرے کتے کو جو میرے اہلِ بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صـ۱۸۸)

اس روایت کے آخر میں راوی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وكان شمر قبحه الله ابرص	شمر اللہ اس کا برا کرے برص میں مبتلا تھا

(ج ص ۱۸۹)

مگر "داستان گو" اسی کتے کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

"عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے،،

(ص ۱۰)

"عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی لعشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انھیں پامال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں" (ص ۱۰)

حالانکہ "البدایہ والنہایہ" میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وقتل من اصحاب الحسین اثنان وسبعون نفساً فدفنهم اهل الغاضریة من بنی اسد بعدما قتلوا بیوم واحد

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ۷۲ بہتر نفوس شہید ہوئے جن کو غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا

(ص ۱۸۹ ج ۸)

"غاضریہ" کوفہ کے نواح میں "کربلا" کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہداء کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نمازِ جنازہ ادا کی تھی اور انھیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ "البدایہ والنہایہ" میں ہے

وقتل من اهل الکوفه من اصحاب عمر بن سعد ثمانیة وثمانین رجلاً سوی الجرحی فصلّی علیهم عمر بن سعد ودفنهم، و یقال ان عمر بن سعد امر عشرة فرسان فداسوا الحسین بحوافر خیولهم حتی الصقوه بالارض یوم المعرکة وامر

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے ۸۸ اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن ۱۰ دس سواروں کو حکم دیا جنھوں نے اپنی گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسه ان يحمل من يومه الى ابن زياد مع خولى ابن يزيد الاصبحى ۔

کے لاشہ کو پامال کر کے پیوند زمین کر دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق آرڈر دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کو بھجوا دیا جائے۔

(ج ۸ ص ۱۸۹)

نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے سر کاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا جس پر عبد اللہ بن عفیف ازدی نے برافروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

ويحك يا ابن زياد! تقتلون اولاد النبيين وتتكلمون بكلام الصديقين

ابن زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ زان بعد "سرِ حسین" کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

البشر یا امیر المؤمنین بفتح اللہ علیک ونصرہ، ورد علینا الحسین بن علی بن ابی طالب وثمانیۃ عشر من اہل بیتہ وستون رجلاً من شیعتہ فسرنا الیہم فسألناہم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید اللہ بن زیاد او القتال، فاختاروا القتال فغدونا الیہم مع شروق الشمس فاحطنا بہم من کل ناحیۃ حتی اخذ السیوف ماخذہا من ہام القوم، فجعلوا یہربون الی غیر مہرب ولا وزر، ویلوذون منا بالآکام والحفر لوذاً کما لاذ الحمام من صقر، فواللہ ما کانوا الا جزر جزور او نومۃ قائل حتی اتینا علی آخرہم فہاتیک اجسادہم مجردۃ و ثیابہم مزملۃ وخدودہم معفرۃ، تصہرہم الشمس وتسفی علیہم الریح و ازارہم العقبان والرخم

امیر المؤمنین آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کی بشارت ہو حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں "ساٹھ اشخاص" ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر آپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں کو جا لیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح شکرہ سے کبوتر پناہ ڈھونڈھتا ہے یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈھنے لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سو اب ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے لپٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک
میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلا رہی
ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب
(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱ ج ۸) اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے ہے۔

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم "مجلسِ حضرت عثمان غنی" کے داستان گو کے علی الرغم اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوفی حضرات جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظرِ انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

والله لا اجمعهما للفاسق ابدا خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں
اقتل ابن بنت رسول الله صلى الله گناہ اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول
عليه وسلم واغزو البيت الحرام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل
(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹ ج ۸) کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کر دوں

یاد رکھیے "داستان گو" صاحب نے جن شہداء کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، یہ وہی شہداء کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ "وہ جنت میں بے حساب داخل ہوں گے" چنانچہ حافظ ابنِ کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روى محمد بن سعد وغيره من غير وجه عن علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه انه مرّ بكربلاء عند اشجار الحنظل وهو ذاهب الى صفين، فسأل عن اسمها فقيل كربلاء، فقال كرب وبلاء فنزل وصلّى عند شجرة هناك ثم قال يقتل ههنا شهداء هم خير الشهداء غير الصحابة يدخلون الجنة بغير حساب۔ واشار الى مكان هناك فعلموه بشئ فقتل فيه الحسين۔

(ج-۸ص۱۹۹، ۲۰۰)

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا "کربلا" ہے فرمایا کرب و بلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حسینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنھایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔

وقد انقرضوا کافۃ فلم یبق لیزید عقب (ج-۸ص ۲۳۷)

سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ ہی کے الفاظ ہیں۔

فانہ لم یمھل بعد وقعۃ الحرۃ وقتل الحسین الا یسیراً حتی قصمہ اللہ الذی قصم الجبابرۃ قبلہ و بعدہ، انہ کان علیما قدیراً۔

سو بلا شبہ واقعہ حرّہ اور قتل حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالےٰ نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

اور س۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ثم مات قبحہ اللہ ثم اتبعہ اللہ بیزید بن معاویۃ فمات بعدہ فی ربیع الاول لاربع عشرۃ لیلۃ خلت منہ فما متعھما اللہ بشیٔ مما رجوہ واملوہ بل قھرھم القاھر فوق عبادہ و سلبھم الملک و نزعہ

پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴، ربیع الاوّل کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منھم من ینزع الملک ممن یشاء۔

چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرّہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

وقد اخطأ یزید خطأ فاحشا فی قولہ لمسلم بن عقبة ان یبیح المدینة ثلاثة أیام، وھذا خطأ کبیر فاحش، مع ما انضم الی ذلک من قتل خلق من الصحابة وابناءھم وقد تقدم انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبیداللہ ابن زیاد۔ وقد وقع فی ھذہ الثلاثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة مالا یحد ولا یوصف، مما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل وقد اراد بارسال مسلم ابن عقبة توطید سلطانہ وملکہ، ودوام أیامہ

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و تاراج کیجیو"، فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش خطا ہے اور اس خطاء کے ساتھ صحابہ کرام اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم مفاسد برپا ہوئے کہ جو حد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس اللہ تعالےٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہت اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ

من غير منازع، فعاقبه الله بنقيض قصده[1] وحال بينه وبين ما يشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزيز مقتدر وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۔ ۸ ص ۲۲۲)

نے اس کی مراد کو الٹ کر اسے سزا دی اس کی ذات عالی یزید کے اور اسکی خواہش کے درمیان حائل ہوگئی (کہ اس کی تمنا پوری نہ ہو سکی) چنانچہ اللہ عزوجل نے جو ظالموں کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ ڈالی اور اسی طرح اس کو دھر پکڑا جس طرح کہ ہر چیز پر غالب اور اقتدار والا پکڑا کرتا ہے "اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی"

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبدالملک اموی نے یزید کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ کر ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنبني دماء آل بني ابي طالب فاني رايت آل حرب لما تهجموا بها لم ينصروا۔

(تاریخ یعقوبی[3] ص ۳۰۴ ج ۲ طبع بیروت ۱۳۷۹ھ)

مجھے آل بنی ابو طالب کی خونریزی سے بچاتے رہنا کیونکہ میں آل حرب[2] کا انجام دیکھ چکا ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

---

[1] قرآن پاک کی آیت ہے۔

[2] "حرب" یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں "آل حرب" سے خود یزید مراد ہے۔

[3] یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مروان

بقیہ ص ۵۳ پر

افسوس یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں حافظ ابنِ کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

> الناس انما میلھم الی الحسین لانہٗ السید الکبیر و ابن بنت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فلیس علیٰ وجہ الارض یومئذٍ احدٌ یسامیہ ولا یساویہ ولکن الدولۃ الیزیدیۃ کانت کلھا تناوئہ۔
>
> (البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۱۵۱)

سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے اور اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضائل و کمالات میں) آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکے لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن "داستان گو" صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالےٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابنِ زبیر پر افترا

(۵) "داستان گو" صاحب آگے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے خلافتِ معاویہ و یزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر "اصل حقیقت" کے زیرِ عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

> "حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آتے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۲ م) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔
>
> "اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں، حسینؓ کو انہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے مخلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں۔"
>
> اُن کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بنایا اور اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔"

("داستانِ کربلا" ص ۲۴، ۲۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر "داستان گو" صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ "آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے" کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بستا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوفی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبیداللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوفی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے زیر کمان حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لڑنے کے لئے آئے

یہی ان بہتّر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان کے اہلِ بیت اور وہ ساٹھ کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ "داستان گو" صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے بداعمال عمّال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام تر کوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوفی شہیدان کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنھوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضا و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ پر بلوائیوں کو اکسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حسنین، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ دار ٹھہرائے[1] اس سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود "شہداء کربلا" کو حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں، اس کے کتابچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے اس کے ان کتابچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ ہیں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

(اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔)

> "داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ
>
> "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔ ....
>
> خاندانِ علی کے بچے کچھے افراد (خواتین) کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔
>
> کوفہ میں بعض شیعان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

---

[1] "داستان گو" کی اس افتراء پردازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کرکے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کرکے انھیں مار دیا، اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے اہل خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں۔" (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

"فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی" (داستان کربلا ص ۱۲۰، ۱۲۱)

"داستان گو" صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کرکے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں جو بعض شیعانِ علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں" اور جن کے غلط مشورے اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو "داستان گو"

صاحب نے "جلاء العیون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مردے تھے جو دوبارہ زندہ ہوکر ان حضرات کے پاس آگئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھیر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہی ساٹھ کوفی "شہداء کربلا" (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو "داستان گو" صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آکر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے جانثاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہداء کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیسا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے

لما قتل الحسین علیه السلام	جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے
قام ابن الزبیر فی اهل مکة	تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہلِ
وعظم مقتله وعاب اهل	مکہ کے سامنے کھڑے ہوکر تقریر کی اور ان کے
الکوفة خاصة ولام اهل العراق	قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت
عامة، فقال بعد ان حمد الله و	کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق
اثنی علیه وصلی علی محمد صلی	کو مذمت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد
الله علیه وسلم ان اهل العراق	و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

غُدُرٌ فُجُرٌ الا قليلا وان اهل الكوفة شرار اهل العراق وانهم دعوا حسيناً لينصروه و يولوه عليهم، فلما قدم عليه ثاروا اليه، فقالوا له اما ان تضع يدك في ايدينا فنبعث بك الى ابن زياد بن سمية سلماً فيمضي فيك حكمه واما ان تحارب، فرأى والله انه هو واصحابه قليل في كثير، وان كان الله عزوجل لم يطلع على الغيب احداً انه مقتول، ولكنه اختار الميتة الكريمة على الحياة الذميمة فرحم الله حسيناً واخزى قاتل الحسين، لعمري لقد كان من خلافهم اياه و عصيانهم ما كان في مثله واعظ و ناه عنهم و لكنه ما حُمَّ نازل و اذا اراد الله امراً لن يدفع افبعد الحسين

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہلِ عراق میں قلیل تعداد کو مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے تو اہلِ عراق کے بدترین لوگ ہیں، انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار رہیں، سو بخدا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے بجانِ من ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور نافرمانی کی وہ ان کے طرزِ عمل سے نصیحت پکڑنے

نطمئن الی هؤلاء القوم و
نصدق قولهم و نقبل
لهم عهداً! لا و لا
نراهم لذالک اهلا
اما والله لقد قتلوه،
طویلاً باللیل قیامهٗ
کثیراً فی النهار صیامهٗ
احق بما هم فیه منهم
و اولی به فی الدین و
الفضل، اما والله ما
کان یبدل بالقرآن
الغناءً، ولا بالبکاء من خشیة الله الحداء،
ولا بالصیام شرب الحرام، و لا
بالمجالس فی حلق الذکر
الرکض فی تطلاب الصید
یعرض بیزید فَسَوفَ
یَلْقَوْنَ غَیّاً۔

(تاریخ الطبری ج۔
ص ۴۷۴، ۴۷۵)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو ہرگز ٹالا نہیں جا سکتا، سو کیا اب حسین کے بعد بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا وہ تلاوتِ قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوفِ الٰہی سے رونے کی بجائے نغمہ اور سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکرِ الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے"۔

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوفی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھی "شہداء کربلا" کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرود کے مشغلے کس کے کردار پر طنز ہیں؟ کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و ترہیب سے حضرت ممدوح سے غداری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالارِ لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر "داستان گو" صاحب داستان سرائی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی براءت کے سلسلہ میں داستان سرائی

(۶) حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سانحہ شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر "داستان گو" صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں

> "اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی" (داستانِ کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟"

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

> " حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور اُن کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبیداللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا، جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعۂ قتل حسین کے بعد ہو گئی" (ص ۳۰)

تعجب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ

> " واقعۂ قتل حسین کے بعد امتِ مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی "

داستانِ کربلا لکھنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل انجان بن گئے سچ ہے

دروغ گو را حافظہ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امتِ یزید اور اس کے بداعمال عمالِ حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کوفی "شہداء کربلا" کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رفاقت میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر داخلِ جنت ہوئے۔

خاندانِ حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ

(۷) اور "داستان گو" صاحب نے جو یہ بات بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

> " خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقہ کے مطابق حضرت حسینؓ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

> خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے ، اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے"
>
> ("داستانِ کربلا" ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو "داستان گو" صاحب ذرا بتائیں کہ بیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیئے تھے یا حکومت کے بیت المال سے ، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں ، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے ۔

(۸) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ

"داستان گو" صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان گڑھنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

> "حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہلِ مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعتِ عام لے لی ۔
>
> چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو نیز بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے

نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمانؓ کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

"میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں" (اخبار الطوال)

سن ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

"مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کر لوں گا۔"

(طبری۔ اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرگان امِ کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندانِ حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے گورنر اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب دیا مکہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعانِ علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے“

حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجیے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانتا بندھ گیا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں (داستانِ کربلا ص ۲ تا ۲۴)

"داستان گو" صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

> "بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعوی نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

> "اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی" (ص ۲۱)

> نیز یہ کہ "حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کیلئے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔" (ص ۲۰ و ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے "نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے" تو یہ "ان ہونی" کیسے ہوئی اور یزید کے بارے میں استصوابِ عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسولؐ و ازواج رسولؐ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصوابِ عام ممکن تھا جیسا کہ بقول "داستان گو" کے یزید کی ولیعہدی کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ یزید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصـــــــ ہی پر رکھا، چنانچہ خود "داستان گو" کا بیان ہے کہ

"خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاحبزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت
کرنا چاہی، معاویہ نے مجلس شوریٰ سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لیے اہل
نہیں پاتے، اس لیے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کرلیں

(ص ۲۶)

تو پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی یہی طریق کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ امت مشورہ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لیے منتخب کرلیتی آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ طرزِ عمل لائقِ ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولیعہدی کی بیعت جس کی توجیہ میں "داستان گو" صاحب سرگرداں ہیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی

(۹) چنانچہ کتاب وسنت سے یزید کی ولیعہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے "داستان گو" صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ

"چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو ۔۔۔ اسلیئے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا" (ص ۲۱)

واقعی یزید کی ولی عہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی

ع بلبل پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی۔

جناب کی تصریح سے واضح ہوگیا کہ "اہلِ عجم" کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس بارے میں "اہلِ عجم" کا اتنا پاس و لحاظ کیا گیا کہ امور سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنایا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے ممدوح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہل عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" ان ہی "اہل عجم" کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر و زندقہ و نفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں آئے چنانچہ "داستان کربلا" کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

> "چونکہ اولین اہل قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفت اسلام کے سبب ان ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فولادی ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بناء بریں انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبۂ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظور نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے۔" الخ (ص ۳۰، ۲۱۶)

اب خود ہی سوچ لیجیے کہ کیا انہی اولین اہل عجم کی خوشنودی کے لیے "یزید" کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا ان ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے "داستان گو" صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

> "حضرت علیؓ کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسنؓ کے پاس مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی" (داستان کربلا ص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

> "حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی" (داستانِ کربلا ص ۱۵)

غور فرمایئے! یزید کی ولی عہدی کے لیئے تو توجیہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل السنت والجماعۃ بلا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد "بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولیعہد بنا دیا جائے تو لائق تحسین ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ "مجلس عثمان غنیؓ" کے شیعان اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد "بیٹے کی ولیعہدی کی رسم" یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ "ولی عہدی کی رسم قائم کی"

ولیعہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے "داستان گو" صاحب کو علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا "ولیعہد" نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت ممدوح سے حاضرین نے بیعتِ خلافت کی تھی اور باتفاق اہلِ سنت وجماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے آپ کا زمانہ ولیعہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمامِ حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالے عنہ کی وفات اور یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے دوران جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ حکومت میں آخر بلادِ عجم میں وہ کونسی فتوحات ہوئیں جن کی بناء پر مملکتِ اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا" ! جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے کہ "اہلِ عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو" تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالے عنہم کی اولاد اجداد حکمرانوں کی اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ "داستان گو" صاحب تو یزید کے بعد مروان ہی کو خلیفہ مانتے ہیں کیا مروان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالمِ اسلام کے حکمران رہے تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افترا

(۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعاء کا دعویٰ منسوب کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسن (رضی اللہ تعالے عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب حل وعقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دونوں اہلِ سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولیعہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاقِ خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتائیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ! نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ "بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا ،، تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ، خلافت کا حق قریش کے لیۓ نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں، کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی "شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے" میں توجوانانِ بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۳۱) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نواصب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے "الفصل" میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل تالیف بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

(۱۲) حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی

اور "داستان گو" نے جو یہ لکھا ہے کہ

> "اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پہ متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں"
>
> (داستانِ کربلا ص ۲۱، ۲۲) (اخبار الطوال)

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشنا ہی چاہیے کہ قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ بلکہ ان کے برادرِ بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

”حضرت حسن فوت ہو چکے تھے“ اور ان کی وفات ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ہوئی ہے اور اسی ”داستانِ کربلا“ میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

> ”امرِ خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ۳۵ھ کے آخر سے معطل[1] ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے (کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) ۴۱ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی“ (ص ۱۹)

غرض ۴۱ھ سے لے کر ۴۹ھ یا ۵۰ھ تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تمام قلمروِ اسلامی کے بلاشرکتِ غیرے مطلق فرمانروا تھے اور اسی لیے ”داستان گو“ ہی کے قول کے مطابق اس وقت

---

[1] کیونکہ شیعان مروان ”مجلس عثمانِ غنی“ نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امرِ خلافت معطل رہا۔

"حضرت معاویہ قاتلین عثمان ...... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کیفرِ کردار تک پہنچانے لگے"

(ص ۲۰)

پھر یہ "قاتلین عثمان" حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

"حضرت معاویہ کے ڈر سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہو گئے"

("داستان کربلا" ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق "کوفہ میں رہنے والے "قاتلانِ عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا الخ"

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان "قاتلانِ عثمان" کو کیوں کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ "داستان گو" صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو "داستان گو" صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی ہے۔ طبری کے حوالوں کی تنقیح ناظرین کی نظر سے گذر چکی ہے کہ "داستان گو" صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورتِ واقعہ کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کاروائی فرمائی اور ان اشرافِ کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حجر بن الادبر، حجر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، "قاتلانِ عثمان" کی تہمت لگا دی ہے، حضرت حجر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرافِ کوفہ کا قتلِ عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب "داستان گو" صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہل علم "الاخبار الطوال" سے جس کا "داستان گو" صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطعون کرنا

(۱۳) اور بیعت یزید کے سلسلہ میں "داستان گو" صاحب کا یہ بیان ہے کہ

> "سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ "مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کر لوں گا"۔ (طبری - اخبار الطوال)
>
> "لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے"۔ (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے۔ "تاریخ طبری" اور "الاخبار الطوال" میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ "میں بیعت کر لوں گا" یہ بات "داستان گو" صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح نبٹا جائے، جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ طبری "چوہے کے کان" کے برابر تھا (کانہا اذن فارۃ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ	اما بعد بیعت کے سلسلہ میں، حسین، عبد اللہ
بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ	بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو پوری سختی کے
اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ	ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں

حتی یبایعوا والسلام۔ (تاریخ الطبری ص ۳۳۸ ج ۵)	انھیں رخصت نہ ملنے پائے والسلام۔

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا گیا[1]، مروان اور ولید میں ان بن تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی[2] نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیك بالحسین بن علی وعبد اللہ بن الزبیر، فابعث الیھما الساعة فان بایعا والا فاضرب اعناقھما قبل ان یعلن الخبر (الاخبار الطوال ۲۲۷)	تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلا لو اگر وہ دونوں بیعت کرلیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں ماردو، یہ کام معاویہ کی خبرِ مرگ کے اعلان سے پہلے ہوجانا چاہیے۔

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ "اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] ابوحنیفہ دینوری کے الفاظ میں فلما ورد ذلك علی الولید فظع به وخاف الفتنة (الاخبار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

[2] یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جان بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

"میرا گمان ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے" ابن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ سن کر کہا "میں بھی یہی سمجھتا ہوں" اس گفتگو کے بعد دونوں، حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالی کو جمع کر کے "دارالامارۃ" کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سنو تو "دارالامارۃ" میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھلایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أما ما سألتنی من البیعة فان مثلی لا یعطی بیعتہٗ سرّاً ولا اراک تجزی بھا منی سراً دون ان تظھرھا علیٰ رؤس الناس علانیة۔

بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔

فاذا خرجت الی الناس ودعوتھم الی البیعة دعوتنا مع الناس فکان امراً واحداً (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۴۰)

جب تم لوگوں کے سامنے نکل کر ان کو بیعت کی دعوت دو تو ہمیں بھی سب کے ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔

اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ "میں بیعت کر لوں گا" بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پہ ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا۔ جیسا کہ "داستان گو" صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا، جس سے آپ نے حکمتِ عملی کے ساتھ

پہلوتہی فرمائی، بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو "دارالامارۃ" سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

والله ان فارقك الساعة ولم يبايع لا قدرت منه على مثلها ابدًا حتى تكثر القتلى بينكم و بينه، احبس الرجل، ولا يخرج من عندك حتى يبايع او تضرب عنقه۔	خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کود کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

يا ابن الزرقاء انت تقتلني ام هو؟ كذبت والله و اثمت۔	او زرقاء (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا ہے اور گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا۔

عصيتني، لا والله لا يمكنك من مثلها من نفسه ابدًا۔	تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو نہیں دیں گے۔

ولید نے مروان سے کہا " مروان یہ زجر و توبیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دین کی سراسر بربادی ہے

والله ما احب ان لی ما طلعت علیه الشمس و غربت عنه من مال الدنیا وملکها، وانی قتلت حسیناً، سبحان الله! اقتل حسیناً ان قال لا ابایع! والله انی لا ظن امرأً یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند الله یوم القیامة

("تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم حسینؓ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق ومغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ کہتے ہیں" میں بیعت نہیں کرتا" بخدا مجھے یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہو گا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ "الاخبار الطوال" اور "تاریخ طبری" دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مورخ طبری نے تفصیل سے، مگر "داستان گو" صاحب کو پوری داستان میں بس اتنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ الٹا نقشہ کھینچا ہے جس سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذم کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انھیں یزید و مروان سے عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو "بیعت ضلالت" سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چنانچہ امام ابن حزم ظاہری، "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں یزید کی بیعت "بیعت ضلالت"[1] تھی۔	رأى انها بيعة ضلالة (ج۲ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ)

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید، سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔	انما انکر من الصحابة رضی الله عنهم ومن التابعين بيعة يزيد بن معاوية والوليد وسليمان لانهم كانوا غير مرضيين (ج۲ ص ۱۶۹)

"داستان گو" صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب "جمہرۃ انساب العرب" میں یزید کے کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل ہے فرماتے ہیں۔

اور یزید امیر المؤمنین جس کے اسلام میں برے	و يزيد امير المؤمنين وكان قبيح

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو اعیان ضلال ہی میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاة الضلال يزيد بالشام ومختار بالعراق (ج۲ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتفاقا من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج ويزيد بن معاوية ومختار (اور قرون فاضلہ میں بھی باجماع ایسے افراد ہو گزرے ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے)

الآثار فی الاسلام، قتل اھل المدینۃ و افاضل الناس وبقیۃ الصحابۃ، رضی اللہ عنھم. یوم الحرۃ فی آخر دولتہ، وقتل الحسین رضی اللہ عنہ واھل بیتہ فی اول دولتہ وحاصر ابن الزبیر رضی اللہ عنہ فی المسجد الحرام و استخف بحرمۃ الکعبۃ والاسلام فاماتہ اللہ فی تلک الایام، وقد کان غزا فی ایام ابیہ القسطنطنیۃ وحاصرھا (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ)

کرتوت ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرّہ کے دن اہلِ مدینہ اور ان کے بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، اور اپنے عہدِ حکومت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کو قتل کیا، اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالےٰ نے انہی دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطینیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا

واضح رہے کہ "جمہرۃ انساب العرب" "خلافت معاویہ و یزید" میں محمود احمد عباسی کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت عمل میں آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خونِ حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور طرح طرح کی افترا پردازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ

(۱۴) اور "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالے سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

" سنہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ملے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا (اخبار الطوال)

(داستان کربلا ص ۲۳)

وہ "الاخبار الطوال" میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے۔ ہمارے پیش نظر "الاخبار الطوال" کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبدالمنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر "داستان گو" صاحب کو اپنے دعوٰی کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

صحابی رسول حضرت سلیمان بن صردؓ پر طعن

(۱۵) اور یہ جو "داستان گو" صاحب نے "الاخبار الطوال" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

> "کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں، تو انھوں نے سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہو کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ
>
> "آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے"
>
> الخ (داستان کربلا ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں۔

وقد كان سليمان بن صرد الخزاعي[1] حضرت سلیمان بن صرد خزاعیؓ رضی اللہ عنہ

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی سے "الخزاعی" کی بجائے "الخزرجی" چھپ گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاھداً، روی عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم احادیث فی الصحیحین وغیرھما وشھد مع علی الصفین۔

(ج - ۸

ص ۲۵۵)

جلیل القدر صاحب فضل و کمال، عابد و زاہد صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔

ابنِ زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دارگیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا۔ جو وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مدد کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشقیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہلِ مدینہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیئے جانے کا خیال بھی نہ تھا، بہر حال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہواخواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

انہی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۶۵ھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) [1] محمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو تو وہ "سبائی لیڈر" بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مرّی کو جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہؓ تابعین کا قتل عام ہوا رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا "معمر صحابی" حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے ہیں تو بجائے "مسلم" کے اس کو "مسرف" یا "مجرم" کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں چار ہزار فدائیوں کا لشکر لے کر خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے۔ یہ لشکر تاریخ میں ”توابین“ کے نام سے موسوم ہے۔ امیر التوابین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔ ”عین الوردہ“ کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ کو عبیداللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا۔ تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولےٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا، مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری ”جمہرۃ انساب العرب“ میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود ولد فی الانصار بعد الھجرۃ، افتتح مروان دولتہ بقتلہ و سیق الیہ رأسہ من حمص، رضی اللہ عن النعمان ولا رضی عن قاتلہ“ (ص ۲۶۴)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

” داستان گو “صاحب ”توابین“ کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس واقعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر

(۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

"خلیفہ یزیدؒ کی وفات سے حضرت مروانؓ کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی مدت بنتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ دار گردانا گیا ہو، حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے واقعہ کو چار سال گذر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت کے مدعی تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا"........

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخر کار سنہ ۶۶ھ میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا نعرہ اس نے بلند کیا۔ اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ صرف خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔.....

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ[لہ] کے بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ نے یا جس شخص

[لہ] سابق میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے بعد خلیفہ یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتلِ حسین کے نعرہ کو ہی اپنا منشور بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں، اگرچہ اہلِ سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہلِ علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کربلا کی سچی اور تاریخی داستان" (داستانِ کربلا ص۲۶ تا ۲۹)

ہم اس کھلی ہوئی افترا پردازی پر جس کو احمد حسین کمال "سچی اور تاریخی داستان" بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہلِ سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتلِ حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بد اعمال عمّال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوفی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمرکاب تھے اور جنھوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شربت شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خونِ ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری "امتِ مسلمہ" مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جرأت کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یہ الف

لیلیٰ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؓ و حسینؓ کی تحقیر و توہین

(۱۷) "داستانِ کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو" صاحب کو اپنی داستان واقعاتِ کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے حادثہ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

> "ان شیعانِ علی نے حضرت علیؓ کو کبھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعان حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، نہروان پر حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؓ کی موت واقع ہو گئی،،
>
> ("داستانِ کربلا" ص ۱۳)

خاک بدہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراستِ دینی سے بہرہ ور نہیں، فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض نرے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے جا لڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جناب معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور ہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان نواصب کے پیش رو "شیعانِ علی" تھے، جن کی تقلید میں "مجلسِ عثمانِ غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعانِ علی" کا ایک فرد تھا ماشاء اللہ کیا کہنے اس داستان گوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت

(۱۸) اور سنیئے کیا نئی دریافت ہے۔

> "دراصل یہ شیعانِ علی، قاتلانِ عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرا کر کوفہ لے آیا اور بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جا لڑایا، جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعانِ علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جاں بر نہ ہو سکے۔"

(داستانِ کربلا ص ۱۵)

(ا) معلوم ہوا، خاک بدہن گستاخ (ونعوذ باللہ من ھذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ" ان شیعانِ علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ "مجلسِ عثمانِ غنی" کے ناصبیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں "داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مفتریات و مکذوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپردِ قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کی شخصیّت کے بارے میں بھی ان ناصبیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعانِ علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلانِ عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرایا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیرباد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ "شیعانِ علی قاتلانِ عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب "صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آکر لڑنے لگے۔ گویا با اختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان "شیعانِ علی قاتلانِ عثمانؓ" کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ (معاذ اللہ من ہٰذہ الاکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعانِ علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان بر نہ ہو سکے۔ "خوارج" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکین "مجلس عثمانِ غنیؓ" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجہیل پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے۔ لہٰذا "مجلسِ عثمانِ غنیؓ" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان ان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلسِ عثمانِ غنیؓ" کے یہ بد باطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

> "حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، حتیٰ کہ سر کے نیچے سے تکیہ تک

اتار لیے حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان ولباس تک پر دست درازیاں کیں ، بالآخر حضرت حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ ان " قاتلانِ عثمان " سے جو شیعانِ علیؓ بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں ، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی اور شرارت سے باز نہیں آتے ہیں نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ " قاتلانِ عثمان " کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں " (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؓ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسن نے ان کے اس طرزِ عمل سے بددل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین اور اپنے تمام اہلِ خاندان سمیت بیعت کر لی۔ (داستانِ کربلا ص ۱۴)

معلوم ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی " قاتلانِ عثمان شیعانِ علی " ہیں ، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں ، اہلِ سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں حضرات کو خلیفۂ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان " قاتلانِ عثمان شیعانِ علی " نے نعوذ باللہ دروغ بر گردنِ گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک ہی راہ سمجھ میں آئی کہ

> "حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلانِ عثمان کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شر انگیزیوں سے امت کو بچائیں"

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے لبسی اور مجبوری کا اس ناصبی "داستان گو" نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ ناصبی صاحبان ہیں ان "قاتلانِ عثمان شیعانِ علی" ہی کے نامۂ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق

(۲۰) بہرحال "داستان گو" صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورتِ حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور "قاتلانِ عثمان" کے ورغلانے میں آکر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل "داستان گو" صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

> "حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گذر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعانِ علی نے ان کے والد حضرت علی کے ساتھ کیا تھا ...... حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آرہے تھے، قاتلانِ عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نرغہ سے جو اپنے آپ کو "شیعانِ علی" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہلِ خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جاکر قیام پذیر ہو گئے۔" (ص ۱۹) لیکن "قاتلین عثمان" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علی کے اہلِ خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اکسانے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر...... اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعتِ عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آآ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص ۲۰، ۲۱)

سنہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انھوں نے ..... اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۳)، حضرت حسین کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۲۴۴)

غرض جناب "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود ان قاتلان عثمان کے ورغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نرغہ سے اپنے آپکو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر یزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو "داستان گو" صاحب مسلمانوں کو "داستان کربلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح

(۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ "داستان گو" صاحب بار بار "قاتلانِ عثمان" اور "شیعانِ علی" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا الو سیدھا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

> "خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی المناک شہادت کے سانحہ نے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلینِ عثمان مل جل گئے تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کارروائیوں میں مصروف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ یہی تھی" ("داستانِ کربلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلانِ عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلانِ عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں "قاتلانِ عثمان" ہیں کون؟ کیا وہ چند شرپسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنھوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہونے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنج تن" کہہ کر پکارتے ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی بکر

(۲) کنانہ بن لبشر

(۳) غافقی

(۴) عمرو بن حمق

(۵) سودان بن حمران

بعد کو "داستان گو" صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے[۱] لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی "پنجتن" کی پھبتی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل "پنجتن" کی بجائے "ششتن" بن جائیں گے۔ بہر حال ان نامبردگان میں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] ملاحظہ ہو "داستان گو" صاحب کا "مجلس عثمان غنی" سے شائع کردہ کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟" (ص ۸۰۷)

تو صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ڈاڑھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت ممدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سنتے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور اُن پر "قتل عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے "خال المؤمنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المؤمنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے[1] اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

---

[1] ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج۔ ۷ ص۔ ۱۸۸، ۱۸۹

بعد کو یہ بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلانِ عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا[1]

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن دقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربارِ خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کارروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علیّ کان معذوراً فی ترک قتلۃ عثمان لان شروط الاستیفاء لم توجد۔

حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیوں کہ قصاص لینے کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں

(منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۲)

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغازِ بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی، سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

---

[1] ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ۔ ۷ ص،

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفۂ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنکی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آگئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالاخانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پاکر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالے وجہہ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباغي بمنزلة الاسلام من الحربي فى افادة العصمة والحرمة۔
(البحر الرائق شرح كنز قائق، باب البغاة)

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالے وجہہ کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرات مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہوگیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کردیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہٰذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سارعت طوائف المھاجرین والانصار الی بیعتہ۔ (ج ۴ ص ۱۰۰، ۱۰۱)	بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا اظہار فرمایا تو مہاجرین و انصار جوق درجوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات مہاجرین و انصار نے جس جاں نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسہ فقامت معہ طوائف من المسلمین	جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظيمة و بذلوا دماءهم دونه، ورأوه حينئذٍ صاحب الامر والاولى بالحق ممن نازعه۔

(ج ۔ ۴ ص ۹۷)

بڑی جماعتیں آپ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں اور آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں، یہ سب حضرات اس وقت آپ ہی کو اپنا امیر مانتے اور جو لوگ آپ سے برسرِ نزاع تھے ان کے مقابلے میں آپ ہی کو حق پر جانتے تھے

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

الذين بايعوه بعد ذٰلك اذ صار الحق حقه، وقتلوا انفسهم دونه۔ (ج ۴ ۔ ص ۱۰۱)

وہ حضرات جنھوں نے شہادتِ عثمان کے بعد آپ سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

یہی حضرات مہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و جان نثار تھے جن کو یہ ناصبی "شیعانِ علی" اور "قاتلینِ عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۲۲) رہا "شیعانِ علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات "اہل السنۃ والجماعۃ" ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں یہی آپ کی نسبتِ روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوف اسلامی کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے فتاوی پر ہی ہے اہلِ سنت کی کتب احادیث میں تمام خلفاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔ غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعانِ علی" کہتے ہیں محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ

اثنا عشریہ مولفہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کر لی چاہیے تاکہ حقیقتِ حال معلوم ہو جائے[1]

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی[1] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں، رافضی[2] تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو غاصبِ خلافت سمجھ کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفضیلی[3] جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانۂ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور نواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

---

[1] ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص ۲) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں۔
"شیعہ حقیقی مرتضیٰ علی اہل سنت و جماعت اند کہ بروش آنجناب میروند و با کسے بد نیستند و ہر یک را بہ نیکی یاد می کنند در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آنجناب مینمایند۔" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برے نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں" واضح رہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کے ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے "حضرت علی کی جماعت" اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی۔ ان کو "شیعانِ علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے جولاہہ کو "مومن" کہنا یا خاکروب کو "حلال خور"۔

تیمیہ کی زبان سے سنئے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف الشیعة الثلاثة، فانه حرق الغالیة الذین اعتقدوا الالٰهیته بالنار، وطلب قتل ابن سبار لما بلغه انه یسب ابابکر و عمر فهرب منه، و روی عنه انه قال لا اوتی باحد یفضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدته حد المفتری، و قد تواتر عنه انه قال خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر، و لهذا کان اصحابه الشیعة متفقین علی تفضیل ابی بکر و عمر علیه۔

(فتویٰ ابن تیمیہ ص ۴۹[1])

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو سزا دی چنانچہ غالی پارٹی کو جو آپ کی "لوہیت" کی قائل تھی نذر آتش کیا، اور ابن سباء کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا، لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو مفتری کی حد (اسّی (۸۰) کوڑے) لگاؤں گا" اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمر"، اسی لیے آپ کے شیعہ اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا "المجمع العلمی" دمشق کے شمارہ ج ۳۸، جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ "ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی" نے ۱۹۶۲ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس فتویٰ کے مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس ظهر اهل البدع و الفجور، و حينئذ ظهرت الخوارج فكفروا علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و من والاهما حتی قاتلهم امیر المؤمنین علی بن ابی طالب طاعة لله ورسوله وجهاداً فی سبیله، واتفق الصحابة علی قتالهم لم یختلفوا فی ذلك كما اختلفوا فی الجمل و صفین۔

(ص ۴۸)

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ شہید کر دیے گئے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہوا تو اہلِ بدعت و فجور کا ظہور ہوا اور اسی زمانہ میں خوارج بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب اور اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے محبین کی تکفیر کی تا آنکہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالے وجہہ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، سارے صحابہ ان خوارج سے قتال پر متفق تھے، جنگ جمل و صفین کی طرح اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا

بہرحال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالے وجہہ یا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علی" کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی عظمت و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، ناصبیوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے اور ان نام نہاد "شیعانِ علی" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ناصبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیے اور "داستان گو" کے بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعانِ علی" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فریبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی "داستان گو" صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "ان شیعانِ علی" نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا" سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام راشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ہے، حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو ان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدانِ جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنہ میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں "فئۃ باغیۃ" کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی "باغی جماعت" کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہلِ جمل تھے یا پھر ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ "بغاۃ شام" بہرحال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تأثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے شیطان کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض بکواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب بانہٗ قاتل معاویۃ و اصحابہٗ و قاتل طلحۃ والزبیر لقیل لہ علی بن ابی طالب افضل و اولی بالعلم والعدل من الذین قاتلوہ فلا یجوز ان یجعل الذین قاتلوہ ھم العادلین و ھو ظالم لھم۔

(منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ ج ۲۔ ص ۱۹۰ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قدح کرنے لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جنگ کی تو اس سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام لوگوں سے جو ان سے برسرِ جنگ ہوئے افضل و اعلیٰ تھے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے حضرت علی سے قتال کیا، بس وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہلِ سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود و مصیب و مخالفانِ او برغیر حق و مخطی۔

(ص ۱۹۱، طبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف ناحق پر اور خطا کار۔

ناصبی جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خوارج کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

ویخرجون علیٰ خیر فرقه من الناس قال ابوسعید اشهد انی سمعت هٰذا الحدیث من رسول الله صلّی الله علیه وسلّم و اشهد ان علی بن ابی طالب قاتلهم و انا معه"۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعجزات الفصل الاول ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپکے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پردازی (۲۳)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا "داستان گو" نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں تصریح کی ہے کہ

و مع الحسن ازید من مائة الف عنان یموتون دونه۔ (ج۔۴ ص ۱۰۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ ایک لاکھ سے زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا کرنے کو تیار تھے۔

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث شریف کے ذیل میں جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے اسی اثنار میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر ارشاد فرمایا

ابنی هٰذا سید، ولعل الله ان یصلح به بین فئتین من المسلمین (ج۔۱۳ ص ۵۷)

میرا یہ بیٹا "سید" ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفی هذه القصة من الفوائد، علم من اعلام النبوة، ومنقبة للحسن بن علی فانه ترك الملك لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبة فیما عند الله، لما رآه من حقن دماء المسلمین فراعی أمر الدین ومصلحة الامة۔

(ج - ۱۳، ص ۵۷)

اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی منقبت معلوم ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی ذلت کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصۃً لوجہ اللہ سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون ریزی سے بچ جائیں گے، لہٰذا آپ نے دین اور مصلحتِ امت کی رعایت فرمائی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "الخطط والاثار" میں اہلِ سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والائمة مترتبون في الفضل ترتبهم في الامامة، ولا اقول في عائشة وطلحة والزبير رضي الله عنهم الا انهم رجعوا عن الخطأ، واقول ان طلحة والزبير من العشرة المبشرين بالجنة، واقول في معاوية وعمرو بن العاص انهما بغيا على الامام الحق علي بن ابي طالب رضي الله عنهم فقاتلهم مقاتلة اهل البغي واقول ان اهل النهروان الشراة هم المارقون من الدين وان عليا رضي الله عنه كان على الحق في جميع احواله، والحق معه حيث دار

(ج ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المومنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ "مجلسِ عثمان غنیؓ" کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے ہوائے نفس کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتابچے (۱) "شہادت عثمان غنیؓ کیوں اور کیسے (۲)، داستان کربلا " کذب کا مرقع" ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں، اس لیے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں جس طرح روافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر تبرا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آلِ علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں، تاریخ ہیں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں ذرا شرمانے اور جھجکنے کی کوئی بات نہیں جرأت کی ضرورت ہے، علانیہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متأثر ہو کر اس کو اپنا "امام و شیخ الاسلام" سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں اسی نام سے جاننا اور پہچاننا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرأت کے ساتھ برملا اپنے تنقص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصلِ ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم ستة لعنتهم و لعنهم الله وکل نبی یجاب، الزائد[۱] فی کتاب الله، والمکذب[۲] بقدر الله والمتسلّط[۳] بالجبروت لیعز من اذله الله و یذل من اعزه الله والمستحل[۴] لحرم الله والمستحل[۵] من عترتی ما حرم الله والتارک[۶] لسنتی رواه البیهقی فی المدخل ورزین فی کتابه۔

(ص ۲۲)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (ایسے چھ شخص یہ ہیں) اوّل[۱] وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے[۲] وہ جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو، تیسرے[۳] وہ جو جبر و ظلم سے مخلوقِ خدا پر مسلّط ہو جائے تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلّت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے[۴] وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں[۵] وہ جو میری عترت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے رکھی ہے چھٹے[۶] وہ جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث رزین عبدری نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہو گا کہ

اس میں بہت سی لعنتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بر تواتر ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی؛ بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ بخدا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و مہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں "باب الکرامات" میں منقول ہے۔

وعن سعید بن عبد العزیز قال لما کان ایام الحرّۃ لم یؤذّن فی مسجد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ثلاثا ولم یُقَم۔ ولم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

رواہ الدارمی (ص ۵۲۵)

حضرت سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن المسیب تھے جو مسجد ہی میں رہتے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر اس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

(۴) اور عترت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں ملا یادہ تو زبان زدِ خاص و عام ہے، یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ الخلفاء" میں کربلاء کے حادثۂ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن اللہ قاتلہ و ابن زیاد	اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
معہٗ و یزید ایضاً۔	کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن
(ص ۸۰ طبع میمنیہ سنہ ۱۳۰۵ھ)	زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہلِ بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے، آمین یارب العالمین۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ   کہ برقولِ ایماں کنم خاتمہ

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

محمد عبد الرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

یزید کی شخصیت

اہلِ سنت کی نظر میں

از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

ناصبیت کا شجرہ خبیثہ جس کا بیج محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر بویا تھا۔ اب برگ و بار لا رہا ہے اور اس فتنہ سے متاثر لوگوں کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ خود پیش دستی کرکے اہل علم کو چھیڑتے ہیں۔ ہماری نئی نسل میں جو لوگ تاریخ کے اسکالر کہلاتے ہیں، عربی نہ جاننے کے سبب چونکہ ان کی رسائی اصل مآخذ و مراجع تک نہیں، اس لئے سب سے پہلے اس فتنہ سے وہی متاثر ہوئے۔ عربی مدارس کے طلباء و اساتذہ کی اکثریت بھی علم تاریخ سے ناآشنا ہے۔ اس لئے ان کی خاصی تعداد بھی اس فتنہ کا شکار ہوگئی اور اب کیفیت یہ ہے کہ عوام تو کیا بہت سے مولوی بھی اس فتنہ کے داعی بن چکے ہیں۔

ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۰ ہجری میں مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی نے ہمیں یہ استفتاء دیکر فرمایا کہ اس کا مفصل جواب آپ تحریر کر دیجئے۔ چنانچہ مولانا کے فرمانے کے مطابق بعجلت ممکنہ اس کا جواب قلم بند کر دیا گیا۔

چونکہ استفتاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بھی ایک فتوی کے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے سائل کو لکھا تھا کہ وہ فتوی ہمیں بھیج دیا جائے۔ اس کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک مطبوعہ پمفلٹ آٹھ صفحات پر مشتمل "حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب" نامی ہمیں موصول ہوا

یہ پمفلٹ پہلے "مجلس عثمان غنی کراچی ۲۱" سے شائع ہوا تھا۔ اور اب "انجمن تحفظ ناموس لاہور" سے شائع ہوا ہے۔ ہمارے پاس موصول شدہ قلمی استفتاء اور مطبوعہ پمفلٹ مضمون واحد ہے۔ البتہ سوالات میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ اور کہیں کہیں الفاظ میں معمولی تبدیلی بھی ہے۔ مطبوعہ پمفلٹ میں مولوی محمد صابر، نائب مفتی دار العلوم کراچی نانک واڑہ کے نام سے ان بارہ سوالات کے جواب میں کل یہ چند سطور درج ہیں۔

> "امیر یزید مؤمن تھے۔ اور از روئے حدیث بخاری شریف "مغفور لهم" میں داخل ہیں۔ ان کو کافر کہنا اور لعن وطعن کرنا ہرگز جائز نہیں، کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر لوٹتا ہے۔ اس سے سخت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسے نظریات رکھنے والے امام کے پیچھے بلا شبہ نماز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

اور پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام سے "الجواب صحیح" کے الفاظ درج ہیں۔

پہلے قلمی استفتاء کی پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس کے بعد بالتفصیل نمبروار ہر سوال کا جواب پڑھتے جایئے۔ واللہ الہادی

محمد عبد الرشید نعمانی۔ ۶ر صفر ۱۴۰۲ھ شب جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر مبنی نظریات رکھتا ہے۔

اول:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ مدینۃ الروم قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والے لشکر کے لئے مغفرت ہے اور امیر یزید مرحوم اس لشکر کے کمانڈر تھے۔ لہٰذا اس مغفرت میں وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَوّلُ جَیشٍ مِن اُمّتی یغزُونَ مدینۃ قیصر مغفور لھم۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۱۰)

ب) قال محمود بن الربیع فحدثتها قومًا فیھم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ التی توفی فیھا ویزید بن معاویہ علیھم بارض الروم (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۸)۔

دوم:- بہت سے صحابہ کرام نے امیر یزید مرحوم سے بیعت خلافت کی۔ اور اس پر قائم رہے منجملہ ان کے (۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رض (۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رض (۳) حضرت عبد اللہ بن جعفر رض (۴) حضرت نعمان بن بشیر (۵) حضرت جابر بن عبد اللہ۔ (۶) وغیرہم۔ اگر امیر یزید کافر یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتے۔ تو یہ حضرات صحابہ کرام رض ان کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے۔ تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور فجور و بد دینی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئیگا۔ اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردہ اس وصف کے خلاف ہے۔ جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر

وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ؛ اُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ (سورہ حجرات، پارہ ۲۶)

(ج) سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیر یزید کے ہاتھ پر اللہ کے رسول کی بیعت کی ہے۔ إنا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله۔ (بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۳)

سوم: حضرت محمد بن حنفیہ یعنی محمد بن علی نے نہ صرف امیر موصوف کی بیعت کی، بلکہ ان پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی، ترکِ نماز، حدود الٰہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات کی پُرزور تردید فرمائی۔ کہ میں خود امیر یزید کے پاس رہا ہوں، لیکن میں نے ہمیشہ انہیں پابند نماز اور سنتِ رسول پر مضبوطی سے کاربند پایا، اور مسائل فقہ کا جویاں پایا۔

(د): وَقَدْ حَضَرْتُهٗ وَاَقَمْتُ عِنْدَهٗ فَرَاَیْتُهٗ مُوَاظِبًا عَلَى الصَّلٰوةِ مُتَحَرِّیًا للخیر یسأل عن الفقہ، ملازما للسنۃ (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۳۳، بحوالہ المنتقی صفحہ ۲۰۱) بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث و مناظرہ کیا۔

(ھ) قد ... محمد بن الحنفیۃ فی ذالک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوات (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۱۰۔)

چہارم: سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی۔ اول تو ان کے لئے دعا کی، اور پھر امیر یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امیر یزید کی بیعت و اطاعت کا حکم فرمایا، اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔

(و) وان ابنہ یزید لمن صالحی أھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم فمضی فبایع (بلاذری الامامۃ والسیاسہ، جلد ۱ صفحہ ۲۰۴)

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

تاب الزُّھد"، میں امیر یزید مرحوم و مغفور کا ذکر زُہادِ صحابہ کے بعد اور تابعین سے
ہلے اس زُمرے میں بیان فرمایا ہے۔ جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کیجاتی ہے
امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں، اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو شرم دلائی ہے
اپ پر شراب نوشی اور فسق و فجور وغیرہ کا اتہام لگاتے ہیں۔

وھذا یدُلّ علی عظیم منزلتہٗ عندہٗ حتی یدخلہٗ فی جملۃ الزّھاد من
ید الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم نعم
ما أدخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل أن یخرج الی ذکر التابعین فأین ھذا
ن ذکر المؤرخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا یستحیون العوام من القوام
ر ۲۲۳)

م: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ امیر یزید نے نہ تو سیدنا حسین رض
قتل کا حکم دیا۔ اور نہ ہی اس پر رضامند تھے۔ جو شخص اُن پر الزام لگائے ۔ وہ حد درجہ
اب اور احمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔ کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف جائز نہیں۔ بلکہ
ستحب ہے۔ اور چونکہ مومن تھے۔ اس لئے ہر نماز میں مومنین کی مغفرت والی دعا میں شامل ہیں۔

ح، واما الترحم علیہ فجائز بل ھو مستحب بل ھو داخل فی قولنا
کل صَلوٰۃ اللھم اِغفر للمؤمنین والمؤمنات فإنّہ کان مؤمنًا واللّٰہ
اعلم کتبہ الغزالی (تاریخ ابن خلقان۔ جلد ۱ صفحہ ۴۲۵)

تم :۔ امیر یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رض
یار کے داماد ہیں۔ کیونکہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر اُن کے نکاح میں تھیں۔ اس
شتے سے آپ سیدنا حسین رض کے بھتیجے داماد ہوتے ہیں۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم۔
م: سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بھی امیر موصوف

کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوتے داماد ہوتے ہیں
الاشراف، کتاب المعارف۔

نہم | سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کربلا کے واقعہ میں موجود تھے۔ وہاں
دمشق گئے۔ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعہ
سے تین برس بعد واقعہ حرہ کے موقع پر امیر یزید کا حسین سلوک دیکھ کر ان کے حق میں ان
میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ (بلاذری، حیفا
ابن سعد)

دہم | واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں
انکی ان میں جن کے ثبوت سے کتب تواریخ و انساب پر ہیں۔

یازدہم | سیدنا حضرت امیر معاویہ رض کی وفات کے بعد کوفہ کے ان شریر النفس لوگوں نے
سیدنا حسین رض کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا جن کے نامبارک عزائم و مقاصد
کبھی سیدنا فاروق اعظم رض اور سیدنا عثمان غنی رض کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے اور
جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی رض
کی شہادت اور حضرت حسن رض کی توہین و تحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دا
داغدار ہیں۔ اور جب سیدنا حسین رض کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خطوط
وفود کی بھرمار سے یہ باور کرا دیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ ملت کی
جماعت ان کی خلافت سے مطمئن نہیں۔ تو اب سیدنا حسین رض نے کوفہ کا ارادہ فرمایا۔
(۱) سیدنا عبداللہ بن عباس (۲) عبداللہ بن عمر (۳) عبداللہ بن جعفر (۴) جابر بن عبد
(۵) ابو واقد اللیثی (۶) محمد بن الحنفیہ وغیرہم حضرات نے حضرت حسین رض کو اس ارادہ سے منع
فرمایا۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کرنیوالے کوفیوں

ل اِت مان کر امت میں افتراق وانتشار کی راہ نہ کھولیں۔ اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز دام سے باز رکھیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی۔ اور کوفیوں کے خطوط اور وفود اور انکی طلب پر کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان مدعیان فاداری نے وہی کچھ کیا۔ جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے یا تھا۔ جب آپ نے جان لیا۔ کہ امیر المؤمنین یزید کی بیعت پر تمام اُمت و ملت متفق ہے جن ے فیصلے و عمل کا استخفاف ممکن نہیں۔ تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے۔ اور پہلے موقف سے رجوع فرما کر فوج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ گورنر کوفہ کے سامنے تین شرطیں یش فرمائیں۔

اول :- مجھے واپس جانے دیا جائے۔

دوم :- اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔

سوم :- یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے۔ تاکہ میں اپنے ابن عم (چچازاد بھائی) امیر یزید کے اتھ میں ہاتھ دے کر معاملہ کو اس طرح طے کر لوں۔ جس طرح میرے بھائی حسن رضہ نے حضرت امیر معاویہ کے ساتھ کیا تھا۔ "فاضع یدی فی یدہ" (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵؛ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۵؛ ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۲؛ الاصابہ لابن حجر، ص ۱۷؛ تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۴۰؛ راس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہ)

دوازدہم :- سیدنا حسین رضہ کے اس خروج کو بغاوت کا نام دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک اجتہادی سیاسی خطا تھی جس کا صدور ہر بڑے سے بڑے شخص سے ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور اُن کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سوائے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر میں خاصی تعداد اصحاب کرام کی موجود تھی اور

اس لئے سیدنا حضرت حسین رضہ نے حقیقت کھلنے پر امیر یزید کی بیعت خلافت کا
وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ کہ الٹی میں پہل کر کے
پورا نہ ہونے دیا۔ اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب قیامت
شاید ہی اس سے چھٹکارا مل سکے۔ الحاصل ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے۔
مرحوم پر جرح وطعن کرنا۔ یا ان کی تکفیر وتفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور نہ ہی
واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانکاہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی
پارٹی ہے۔ جن پر سیدنا حضرت حسین رضہ نے مشفقین اور محبین کے خیر خواہانہ
چھوڑ کر اعتماد کیا۔ اب

سوال:- یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں قطع نظر غیر مستند
روایات کے کیا یہ مذکورہ امور بالا اپنی جگہ ناقابل انکار حقائق ہیں یا نہ

سوال:- ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق وتضلیل جائز ہے۔

سوال:- اگر کوئی شخص ان امور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست مانتا
تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

سوال:- معلوم ہوا ہے۔ اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۲۴ محرم
۱۳۸۵ھ میں دار العلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کی
دیا جاچکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ بینوا بالدلائل القطعیہ وتوجروا بالاجر العظیم

فقط والسلام

ابو الارشد محمد اسمٰعیل جاروی خطیب جامع مسجد مدینہ طیبہ
سیکٹر بی۔ ۱۵ کورنگی نمبر ۶، کراچی۔
۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ ہجری، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہلسنت کا طریقہ ہے۔

امام طحاوی نے فقہاء ملت امام ابوحنیفہ رح امام ابویوسف رح اور امام محمد رح کے عقائد کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بارہا طبع ہو چکا ہے۔ اور ہر جگہ دستیاب ہے۔ اور مملکت سعودیہ میں داخل درس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے

ونحب أهل العدل والأمانة ونبغض أهل الجور والخيانة (ص ۹ طبع دیوبند)	اور ہم اہلِ عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہلِ جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ وہی عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطَى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۴)	جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا، اور اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ ہی کے لئے نہ دیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

اسی ہدایت کے مطابق "عقیدہ طحاویہ" میں یہ بھی مصرح ہے کہ

ومَنْ أحسن القول في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأزواجه	جو شخص رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپؐ کی ازواج، اور آپؐ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے

وَذُرِّيَاتِہٖ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ ۔ ص ۸	وہ نفاق سے بری ہے

اجمالی جواب اب سائل نے حضرت حسین اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر یہ پوچھا ہے "کہ امیر یزید پر لعن و طعن کرنا درست ہے یا نہیں۔"

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے۔ کہ حضرت حسینؓ اور جملہ اہل بیت نبوی سے محبت رکھنا۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رح "تکمیل الایمان" میں جو عقائد پر اُن کی مشہور تصنیف ہے۔ فرماتے ہیں۔

وفاطمۃ سیدۃ نساء أھل الجنۃ والحسن والحسین سیدا شباب أھل الجنۃ	اور حضرت فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جوانان جنت کے سردار ہیں
ما ایں مسئلہ را علیحدہ در عقائد ذکر کردہ ایم از جہت قطعیت وے برغم ایں نادانان کہ قطعیت بشارت را مخصوص بعشرہ مبشرہ دارند و ہمچناں کہ علماء برغم رفضہ اہتمام بشان عشرہ کردہ بہ تخصیص ذکر کردہ اند۔ اگر بہ برغم ناصبیہ اہتمام بذکر ایں سہ تن پاک و ذکر فضائل	ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی بناء پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے۔ ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ مبشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے

اہل بیت نبوت کنند نیز مناسب باشد۔ (ص ۲۶، ۲۷ مطبع مجتبائی دہلی)	علی الرغم ان تینوں حضرات کیلئے بھی ذکر کا اہتمام ہو۔ اور اہل بیت نبوت کے فضائل بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "التفہیمات الالٰہیہ" میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضی الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم فی الاسلام (ج ۱، ص ۱۴۸)	اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے ہیں حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے حق میں۔ اور ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جو ان حضرات کا بلند مرتبہ ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

اور یزید سے محبت نہ رکھنا۔ اور اس کے بُرے اعمال سے نفرت کرنا۔ یہ بھی ایمان ہی کا مقتضیٰ ہے اور اہل سنت کا اسی پر عملدرآمد ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" میں یزید کے بارے میں فرماتے ہیں۔

و بالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزد ما، و کارہا کہ ایں بدبخت و بے سعادت دریں اُمت کردہ ہیچ کس نکردہ۔ بعد از قتل امام حسین	اور مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام کہ اس بدبخت منحوس نے اس اُمت میں کئے ہیں کسی نے نہیں کئے حضرت امام حسین

واہانت اہل بیت لشکر بتخریب مدینہ
مطہرہ وقتل اہل آنجا فرستادہ
وبقیہ از صحابہ و تابعین را امر بقتل
کردہ وبعد از تخریب مدینہ امر بانہدام
مکہ معظمہ وقتل عبداللہ بن زبیرؓ کردہ
وہم در اثنائے ایں حالت از
دنیا بجہنم شتافتہ۔ دیگر احتمال
توبہ و رجوع او را خدا داند۔ حق تعالےٰ
دلہائے ما را۔ وتمام مسلمانان را از
محبت وموالات وے واعوان و
انصار وے وہرکہ با اہل بیت نبوی
بد بودہ وبد اندیشیدہ وحق ایشاں
را پامال کردہ وبا ایشاں براہِ محبت و
صدق عقیدت نیست ونبودہ نگاہدارد
وما را، ومحبان ما را در زمرۂ محبان ایشاں
محشور گرداند۔ ودر دنیا وآخرت بر
دین وکیش ایشاں دارد، بحرمۃ النبی
والہ الامجاد بمنہ وکرمہ وہو قریب
مجیب آمین

(ص ۱۷ طبع مجتبائی دہلی)

کو قتل کرنے اور اہل بیت کی اہانت کے
بعد اُس نے مدینہ پاک کو تباہ وبرباد کرنے
اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر
بھیجا۔ اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی
رہ گئے تھے۔ اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا
اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو
منہدم کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسی اثناء
میں جبکہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں
تھا۔ دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ
شاید اس نے توبہ اور رجوع کر لیا ہو۔ یہ
خدا جانے۔ حق تعالےٰ ہمارے اور سب
مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے
اعوان وانصار کی محبت اور دوستی سے
بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ
جس کا اہلِ بیت نبوی سے بُرا برتاؤ رہا۔ یا
جس نے بھی اُن کے حق میں بُرا سوچا۔ اور اُن
کے حق کو پامال کیا۔ نیز جس کو بھی ان کے ساتھ
محبت اور صدقِ عقیدت نہیں ہے۔ یا
نہیں تھی۔ ان سب کی محبت اور دوستی
سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارا اور ہم۔ ـــ

محبت رکھنے والوں، ان حضرات کے محبین میں حشر فرمائے۔ اور دنیا اور آخرت میں ان ہی حضرات کے دین و مذہب پر رکھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و کرم سے ہماری یہ دُعا قبول فرمائے بیشک اللہ تعالیٰ قریب ہے۔ اور دعاؤں کو قبول کرنیوالا ہے۔ آمین

اور شاہ ولیُ اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" کے "مبحث فتن" میں حدیث "ثم ینشأ دُعاۃُ الضَّلال" (کہ پھر گمراہی کیطرف دعوت دینے والے پیدا ہوں گے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ودعاة الضَّلال یزید بالشَّام	اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور
ومختار بالعراق	عراق میں مختار تھے۔

اور مبحث مناقب میں فرماتے ہیں،

ومن القرون الفاضلة	اور "قرون فاضلہ" یعنی اُن صدیوں
اتفاقًا من ہو منافق أو فاسق	میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد
ومنہا الحجاج ویزید بن	ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے۔ کہ جو
معاویہ ومختار	منافق یا فاسق تھے۔ اور ان ہی میں حجاج
	اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا اجمالی جواب، اور اب تفصیل سے نمبروار اپنے شبہات کے جواب ملاحظہ کیجئے۔

ناصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات

پہلا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جو جنگ قسطنطنیہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل دو روایتیں مذکور ہیں۔

الف: اول جیش من اُمّتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔	میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔
ب: قال محمود بن الربیع فحدثتھا قوماً فیھم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوتہ التی توفی فیھا ویزید بن معاویہ علیھم بارض الرُّوم	محمود بن ربیع کا بیان ہے۔ کہ پھر میں نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رض بھی تھے۔ یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے۔ کہ جس میں حضرت ابو ایوب انصاری رض کی وفات ہوئی۔ اور یزید بن معاویہ روم میں اس وقت فوج کا امیر تھا۔

غرض یزید جس لشکر کا کمانڈر تھا۔ اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے۔ تو سرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کیونکہ اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے۔ کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان اللہ قد حَرَّمَ علی النار من قال لا الٰہ الا اللہ یبتغی	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کر دیا ہے۔ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی

بذالک وجہ اللہ   رضائے حق کے لئے لا الٰہ الا اللہ، کہا۔

اب ظاہر ہے۔ کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے۔ کہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ، کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ تو سو خون معاف ہو جائیں۔ اب جو چاہے کرتا پھرے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا۔ حالانکہ غزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف "مغفور لہم" کے الفاظ ہیں۔ اور اس حدیث میں صراحتاً دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو تاویل یا تشریح حدیث مذکور (ب) کی ہوگی۔ وہی تشریح حدیث مذکور (الف) کی ہونی چاہئے۔

احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے۔ کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی بشارت ہے۔ اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا۔ کہ بس اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے۔ اور اب ظلم کی کھلی چھٹی ہے۔ جو چاہے کرے جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لیکر اُسے جنتی کہنا اور بات ہے۔ اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن رض اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرتؐ نے اُن کو جنتی فرمایا ہے۔ لیکن یزید کا نام لیکر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں داخل ہونا اور چیز ہے۔ اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نامزد ہونا اور بات ہے بیشک اس حدیث میں غازیان مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے جیسا کہ غازیان ہند کے لئے۔ لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ ٹھیک ہے یزید غزوہ قسطنطنیہ

میں شریک ہوا۔ لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

البتہ خود یزید نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا۔ کہ جب کلمۂ طیبہ پڑھ لیا گیا۔ تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں۔ اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی یہی "مرجئہ" کا مذہب ہے۔ جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔

(۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اور جب حضرت ابو ایوب انصاری رض کی وفات کا وقت قریب ہوا۔ تو یزید انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "جب میں مر جاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا۔ اور اُن کو یہ بتا دینا۔ کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے۔ کہ

من مَات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنه	جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے۔ کہ حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا۔

قد کنت کتمت عنکم شیئا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم سمعته یقول: لولا انکم تذنبون لخلق الله قوما یذنبون فیغفر لهم	میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے۔ تو البتہ حق تعالےٰ ایسی قوم پیدا کرتا۔ کہ جو گناہ کرتی۔ اور پھر

حق تعالےٰ انکی مغفرت فرمائے

وہاں ان دونوں حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ان هذا الحدیث والذی قبله هو الذی حمل یزید بن معاویة علی طرف من الارجاء و رکب بسببه افعالا کثیرة انکرت علیه کما سنذکره فی ترجمته واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج ۸، ص ۵۹)

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گزری، اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کیطرف ڈالدیا، اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس پر نکیر کی گئی۔ جیساکہ ہم اس کے تذکرہ میں عنقریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔

اب اگر سائل بھی یزید کیطرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرجئہ کے مذہب میں داخل ہے۔ تو اس کو دوسری حدیث ہی یزید کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔ کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا، اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہو سکتی۔ سب گناہ معاف ہیں۔ شیعان بنی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا۔ کہ وہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں، اور گناہ سب معاف۔ اس کی اطاعت۔ طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے۔” اور اگر سائل اہل سنت میں داخل ہے۔ تو جو تاویل اس حدیث کی ہو گی، وہی حدیث غزوہ قسطنطنیہ کی ہو گی

پھر حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو جہاد بھی کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو۔ اور اپنے ذوق و شوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آکر ناخوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے۔ اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی۔ کہ وہ اس جہاد میں شریک

ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اور جہاں تک بن سکا۔ اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی۔ بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پہ تھے۔ اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے۔ وباء اور قحط میں مبتلا تھے۔ تو یہ بڑے ٹھاٹھ سے اپنے عشرت کدہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا۔ اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رض کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۳، ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ مورخ ابن الاثیر سنہ ۴۹ھ کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فی ھذہ السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشًا کثیفًا الی بلاد الروم للغزاة وجعل علیھم سفیانؓ بن عوف وامر ابنه یزید بالغزاة معھم فتثاقل واعتل فامسك عنه ابوہ فاصاب الناس فی غزاتھم جوع ومرض شدیدٌ فانشد یزید یقول:

اور اسی سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ سنہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہ رض نے جہاد کے لئے ایک بڑا بھاری لشکر بلادِ روم کی طرف روانہ کیا۔ اور اس لشکر کا امیر سفیان بن عوف رض کو مقرر کیا اور اپنے بیٹے یزید کو بھی اس غزوہ میں شرکت کا حکم دیا۔ مگر یزید نے تعمیلِ حکم میں سستی کی اور معذرت کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے بھی اس کو رہنے دیا۔ وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور شدید مرض کا شکار ہوئے۔ تو یزید نے یہ شعر کہے۔

ما ان اُبالی بما لاقت جموعھم بالغذقدونة من حمّی ومن موم

مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ[1] (روم میں مسلمانوں کا فوجی کیمپ) میں مسلم مجاہدین کے دستہائے فوج کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے۔

---

[1] قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں ایک مقام کا نام ہے۔

اذا اتکأتُ علی الانماطِ مرتفقًا   بدیرِ مرّان عندی اُمّ کلثوم

جب کہ میں دیرِ مرّان میں گدّوں پر اُونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں۔ اور میرے سامنے اُمّ کلثوم ہے۔

و اُم کلثوم امرأته هی ابنة عبد الله بن عامر فبلغ معاویة شعره فاقسم علیه لیلحقنّ بسفیان فی ارض الرُّوم لیصیبه ما اصاب الناس فسار ومعه جمع کثیر اضافهم الیه أبوه وکان فی هذا الجیش ابن عباسؓ وابن عمرؓ وابن الزُّبیر وابو ایوب الأنصاری وغیرهم و عبد العزیز بن زُرارة الکلابی فاوغلوا فی بلاد الرُّوم حتّٰی بلغوا القسطنطینیة (کامل ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

اُمّ کلثوم یزید کی بیوی عبد اللہ بن عامر کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو جب ان اشعار کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے اُس کو قسم دے کر بتاکید کہا۔ کہ تجھے روم میں سفیان کے پاس پہنچنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ لوگ جس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی گرفتار ہو۔ اب جو یزید روانہ ہوا۔ تو اس کے والد ماجد نے ایک انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اور اضافہ کر دیا۔ اسی لشکر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری وغیرہ بھی تھے۔ اور عبد العزیز بن زُرارہ کلابی بھی۔ چنانچہ یہ لوگ بلادِ روم میں گھستے ہی چلے گئے تا آنکہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کی حقیقت۔ واقعہ یہ ہے کہ یزید سیر و شکار، شعر و شاعری، غنا اور موسیقی کا متوالا تھا۔ وہ جہاد کے جھنجھٹ میں نہ والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا۔ اور نہ اپنے ایام خلافت میں۔ چنانچہ عہدۂ خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اُس نے دیا۔ وہ یہ تھا

ان معاویۃ کان یغزیکم فی البحر وانی لست حاملا احدا من المسلمین فی البحر وان معاویۃ کان یشتیکم بارض الروم ولست مشتیا احدًا بارض الروم ، وان معاویہ کان یخرج لکم العطاء اثلاثا وانا اجمعہ لکم کلہ۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۴۳)

بیشک معاویہ رض تم کو بحری جہاد کی مہم پر بھیجا کرتے تھے مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پر بھیجنے کا روادار نہیں۔ اور بیشک معاویہ رض تم کو روم میں موسم سرما میں جہاد پر روانہ کیا کرتے تھے مگر میں کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا اور بیشک معاویہ رض تمہیں تمہارا وظیفہ سال میں تین قسطوں میں دیا کرتے تھے، میں تم کو اکٹھا یکبارگی دیا کروں گا

بس پھر کیا تھا، یہ خوشخبری سن کر حاضرین، دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ وہم لا یفضلون علیہ احدًا ۔ وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے[1]

---

[1] اس آخری جملہ پر حیات سیدنا یزید کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا ہے پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"علامہ ابن کثیر رح لکھتے ہیں کہ ــــ سیدنا یزید رح اپنے والد ماجد سیدنا معاویہ رض کی وفات کے بعد امیر المومنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ دیکر فارغ ہوئے۔ تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہمعصر تابعین کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا۔

فافترق الناس عنہ وھم لا یفضلون علیہ أحدًا۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۳)۔

"وہ لوگ تقریر سن کر اُن کے پاس سے گئے تو اُن کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا یزید رح پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے" (باقی آئندہ صفحات پر)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ یزید کی شرکت غزوہ قسطنطنیہ میں کس بنا پر تھی، تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم کے اس غزوہ میں شریک ہوا تب بھی یہ بشارت مغفرت اس شرط کیساتھ مخصوص ہوگی۔ کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوئے ہوں۔ کہ جن سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ |

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر۔ دمشق۔ میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزید کے ساتھ عوام و خواص کی جانب سے پسندیدگی و عقیدت کا یہ اظہار نہ صرف اس لئے تھا۔ کہ حلم و عدل کے پیکر سیدنا معاویہ رضی کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بلکہ اعتماد و محبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لے کر جوانی اور موجودہ منزل تک امیر یزید کے شب و روز کا بڑا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ دینی ماحول میں ہوش سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور صاحب کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت و امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے انہیں سیدنا یزید کی شخصیت میں ایک ایسے قائد اور خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ جو فاروقی عزم و ارادہ کے ساتھ متعدد مرتبہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیر فانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبہ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام معاصر حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ سیدنا یزید کی خدمت میں عقیدت و محبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں۔ کہ لا یفضلون علیہ احداً۔

(ص ۴۷، ۴۸ شائع کردہ "مجلس عثمان غنی" کراچی)

مغفرت کی بجائے اُلٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے۔ کہ "العبرۃ بالخواتیم"، یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "تراجم ابواب بخاری" میں فرمایا ہے۔ کہ

قولہ "مغفور لھم" تمسک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حدیث سے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

انشاء اللہ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

اپنے سید ممدوح یزید کو جہاد کی معطلی پر صحابہ اور تابعین کرام کی زبان سے خوب نذرانہ عقیدت پیش کروایا۔ اللہ ہی جزاء دے۔ "مجلس عثمان غنی" کے محققین کا ایک تحقیقی رنگ یہ بھی ہے۔

غور فرمائیے! یہ ناصبی اپنے سید یزید کی مسخ شدہ شکل و صورت کو اپنی خود ساختہ خرافات کے رنگ و روغن سے آراستہ کر کے کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے پہلے خطبہ میں بحری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ سرمائی جہاد کو موقوف کیا۔ سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں میں ملا کرتا تھا اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔ ظاہر ہے ان انعامات پر یزید کے وفادار فوجی جتنی بھی خوشیاں مناتے کم تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کو تو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کر سکتے تھے۔ اُن کے لئے تو یہ اعلان سوہانِ روح سے کم نہ ہوگا۔ یہ تعریف کرنے والے تو وہی لوگ تھے۔ جن کو نہ قتل حسین رضہ میں کوئی باک تھا نہ انصارِ مدینہ کا سر قلم کرنے میں کوئی جھجک اور۔ نہ حرمین محترمین کی عزت کو خاک میں ملانے میں کوئی عار۔ ہاں، ہاں یزید پر تعریف کے یہ ڈونگرے برسانے والے وہی دین فروش سگانِ دنیا تھے جو سو سو دینار کے عوض بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے سنہ ۶۳ ہجری میں یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول

بعض الناس بهذا الحديث في نجاة يزيد لانه كان من جملة هذا الجيش الثاني بل كان رأسهم ورئيسهم على ما يشهد به التواريخ والصحيح انه لا يثبت بهذا الحديث الا كونه مغفورًا له ما تقدم من ذنبه على هذه الغزوة

لان الجهاد من الكفارات وشان الكفارات ازالة اثار الذنوب السابقة عليها لا الواقعة بعدها نعم لو كان مع هذا الكلام انه مغفور له الى يوم القيمة لدل على نجاته واذ ليس فليس

"مغفور لہم" فرمانے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں، نہ صرف شریک بلکہ اس کا افسر و سربراہ تھا۔ جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے، کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے گناہ کئے تھے وہ بخش دیئے گئے۔

کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے، کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں۔ بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں۔ ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہوتا۔ کہ قیامت تک کے لئے اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔ تو بیشک یہ حدیث

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

چڑھ دوڑے۔ اور تین دن تک اس پاک سرزمین پر قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ پناہ بخدا۔ انصار مدینہ صحابہ کرام و تابعین کی ایک خلقت تہ تیغ کر دی گئی۔ سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا۔ اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تو کعبے پر چڑھ دوڑے اس کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق سے اس پر گولہ باری کر کے اس کی بنیادیں ہلا دیں یہ ہے اس کتاب کی تحقیق کا ایک نمونہ۔ یزید پلید جیسے موذی کو جو لوگ "سیدنا" کہتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع ہی فضول ہے۔

بل امره مفوض الى الله تعالىٰ فيما ارتكبه من القبائح بعد هٰذه الغزوة من قتل الحسين عليه السّلام وتخريب المدينة والاصرار على شرب الخمر ان شاء عفا عنه وان شآءَ عذّبه كما هو مطرد في حقّ سائر العصاة على ان الاحاديث الواردة في شان من استخفت بالعترة الطاهرة والملحد في الحرم والمبدّل للسُّنة تبقى مخصصات لهٰذا العموم لو فرض شموله لجميع الذنب (شرح تراجم ابواب البخاری (ص ٣١، ٣٢) شائع کردہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔))

اس کی نجات پر دلالت کرتی۔ اور جب یہ صورت نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب ہوا ہے۔ یعنی حضرت حسین ؑ کو قتل کرنا مدینہ طیبہ کو تاراج و برباد کرنا۔ مے خواری پر اصرار کرنا۔ ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالے کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاف کردے۔ اور چاہے تو عذاب دے۔ جیساکہ تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ جاری ہے۔ علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضور ؐ کی عترت طاہرہ کی ناقدری کرتے۔ اور حرم کی حرمت کو پامال کرتے اور سنت نبوی کو بدل ڈالتے ہیں۔ وہ سب حدیثیں بالفرض اس حدیث میں اگر "مغفرت عام" بھی مراد لی جائے جب بھی اس کے عموم کی تخصیص کے لئے باقی رہتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہے۔

ستة لعنتهم ولعنهم الله   چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے

وكل نبي مجاب: الزائد في
كتاب الله، والمكذب بقدر
الله تعالى والمتسلط بالجبروت
فيعز بذالك من اذل الله و
يذل من اعز الله والمستحل لحرم الله والمستحل
من عترتي ما حرم الله والتارك
لسنتي (ت، ك. عن عائشه
ك عن ابن عمر) (الفتح
الكبير في ضم الزيادة الى
الجامع الصغير) از یوسف نبہانی
(ج ۲، ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر)

اور حق تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے۔ اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنیوالا (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنیوالا۔ (۳) جبر و زور سے تسلط حاصل کرکے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنیوالا۔ (۴) حرم الٰہی کی حرمت کو پامال کرنیوالا۔ (۵) میری عترت کی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسکو حلال کر دینے والا (۶) میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ رض سے روایت کیا۔ نیز حاکم نے اس کو حضرت ابن عمر رض کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔

اسی حدیث کو مشکوٰۃ شریف میں بھی "باب الایمان بالقدر" کی "فصل ثانی" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کرکے لکھا ہے کہ۔

رواہ البیہقی فی المدخل ورزین فی کتابہ

اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں۔ اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے

یہ تو نہیں معلوم کہ یزید تقدیر کا بھی منکر تھا۔ یا نہیں مگر باقی چاروں عیب اس میں موجود تھے۔

(۱) وہ دھونس دباؤ اور جبر و زور سے امتِ مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہل بیت نبوی

صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز ترین خلائق ہیں۔ اُن کی توہین و تذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمین پر چڑھائی کی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جیسے عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن مجرم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک معزز و محترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الٰہی کی حرمت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عترت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اور

(۴) تارک سنت تو تھا ہی۔

بہرحال یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید اس بشارت میں شامل تھا جو غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ یہ غزوہ مورخین کے بیان کے مطابق ۴۹ھ یا بعض کی تصریح کے مطابق ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲ - ۱۱ - ۱۰ سال زندہ رہا۔ اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں۔ اور جس جس قبائح کا ارتکاب کیا ہے۔ اُن میں [illegible] مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دردانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی، مدینہ منورہ اور اہل مدینہ، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام اور پھر [illegible] فوجوں کی چڑھائی وغیرہ۔ ان سب گناہوں کے انبار کی آخر یا مغفرت ہو گئی؟ غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے جو کار نا شائستہ سرزد ہوئی ہیں۔ اُن کا مختصر سا جائزہ [illegible]

کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:-

ویزید امیر المؤمنین وکان قبیح الآثار فی الاسلام قتل اهل المدینة وافاضل الناس وبقیة الصحابة رضی الله عنهم یوم الحرة فی آخر دولته۔ وقتل الحسین رضی الله عنه وأهل بیته فی اول دولته۔ وحاصر ابن الزبیر رضی الله عنه فی المسجد الحرام واستخف بحرمة الکعبة والاسلام فاماته الله فی تلک الایام وقد کان غزا فی ایام ابیه القسطنطنیة وحاصرها

جمهرۃ انساب العرب ص ۱۱۲، مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ)

"یزید امیر المؤمنین تھا۔ یہ اسلام میں بُرے کرتوتوں کا کرنیوالا رہا ہے۔ اُس نے اپنے اقتدار کے آخری دور میں حرّہ[لہ] کے دن اہلِ مدینہ کا قتلِ عام کیا۔ ان کے بہترین افراد اور بقیہ صحابہ کرام کو (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو) قتل کیا۔ اور اپنی سلطنت کے اوائل میں حضرت حسین رضؓ اور اُن کے اہلِ بیت کو قتل کیا۔ اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا۔ کعبہ شریف اور اسلام کی بیحرمتی کی۔ پھر حق تعالیٰ نے ان ہی دنوں اس کو مار ڈالا۔ اس نے اپنے باپ کے زمانے میں قسطنطنیہ پر جنگ بھی کی۔ اور اس کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

اور اپنی دوسری تصنیف "اسماء الخلفاء والولاۃ وذکر مددہم" میں ارقام فرماتے ہیں۔

[لہ] حرہ: اس مقام کا نام ہے جہاں انصارِ مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی تھی۔

بويع يزيد بن معاوية ؛ إذ مات أبوه: يكنى أبا خالد وامتنع من بيعته الحسين بن علي بن أبي طالب وعبد الله بن الزبير بن العوام: فأما الحسين عليه السلام والرحمة.

فنهض إلى الكوفة فقتل قبل دخولها، وهو ثالثة مصائب الإسلام بعد أمير المؤمنين عثمان أو رابعها بعد عمر بن الخطاب رضي الله عنه، و خرومه لأن المسلمين استضيموا في قتله ظلمًا علانية وأما عبد الله بن الزبير فاستجار بمكة فبقي هنالك إلى أن أغزى يزيد الجيوش إلى المدينة حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم وإلى مكة حرم الله تعالى. فقتل بقايا المهاجرين والأنصار يوم الحرة وهي أيضًا أكبر مصائب

یزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت ابو خالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ اور عبد اللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس سے بیعت نہ کی۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام والرحمہ تو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہو گئے اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری مصیبت اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور اسلام میں رخنہ اندازی ہے۔ کیونکہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے مسلمانوں پر علانیہ ظلم توڑا گیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ رضی اللہ عنہا نے مکہ معظمہ جا کر جوارِ الٰہی میں پناہ لی۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔ تا آنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے۔ اپنی فوجیں لڑنے کے لئے بھیجیں۔ چنانچہ حرہ کی جنگ میں

الاسلام وخرومه. لان آفاضل
المسلمين وبقية الصحابة
وخيار المسلمين من جملة
التابعين قتلوا جهرًا
ظلمًا في الحرب وصبرًا
وجالت الخيل في مسجد
رسول الله صلى الله عليه
وسلم وراثت وبالت في
الروضة بين القبر و
المنبر ولم تصل جماعة
في مسجد النبي صلى
الله عليه وسلم ولا كان
فيه أحد حاشا سعيد بن
المسيب فانه لم يفارق
المسجد. ولولا شهادة عمرو
بن عثمان بن عفان
ومروان بن الحكم
عند مجرم بن عقبة المري
بانه مجنون لقتله - و
اكره الناس على ان يبايعوا
يزيد بن معاوية على

مہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے
ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی
اسلام کے بڑے مصائب اور اس کی بنیاد
رخنہ اندازوں میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ
افاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین
میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے
دھاڑے ظلماً قتل کر دیئے گئے اور گرفتار
کرکے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی لشکر
کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے۔ اور
دو ریاض الجنۃ،، یعنی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک
کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے
رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک
نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی۔ اور نہ بجز
حضرت سعید بن المسیبؓ کے وہاں کوئی
فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو
بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمرو بن عثمان بن عفان
اور مروان بن الحکم (اموی لیڈر) امیر لشکر
مجرم (مسلم) بن عقبہ کے سامنے یہ شہادت
نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ تو وہ ان کو بھی

انهم عبيد له، ان شاء باع وان شاء اعتق، و ذكر له بعضهم البيعة على حكم القرآن وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فامر بقتله فضرب عنقه صبرا وهتك مسرف او مجرم الاسلام هتكا وانهب المدينة ثلاثا واستخف باصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدت الايدي اليهم وانتهبت دورهم وانتقل هؤلاء الى مكة شرفها الله تعالى فحوصرت ورمي البيت بحجارة المنجنيق تولى ذالك الحصين بن نمير السكوني في جيوش اهل الشام، وذالك لان مجرم بن

ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں چاہے وہ ان کو بیچے چاہے ان کو آزاد کرے اور جب اس کے سامنے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرف یا مجرم (مسلم بن عقبہ) نے اسلام کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر دست درازی کی گئی ان کے گھروں کو لوٹا گیا (مدینہ طیبہ کو تباہ و تاراج کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی

عقبة المرى مات بعد وقعة الحرة بثلاث ليال وولى مكانه الحصين بن نمير، واخذ الله تعالى يزيد اخذ عزيز مقتدر فمات بعد الحرة باقل من ثلاثة اشهر وازيد من شهرين وانصرفت الجيوش عن مكة - ومات يزيد فى نصف ربيع الاول سنة اربع وستين وله نيف وثلاثون سنة امه ميسون بنت بحدل الكلبية وكانت مدته ثلاث سنين وثمانيه اشهر واياما فقط - ا ص ۳۵۷ ۳۵۸ طبع مصر)

وہاں جاکر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا اور بیت اللہ پر "منجنیق" سے سنگباری کی گئی - یہ کام حصین بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ حرۃ کے تین دن بعد ہی موت نے آدبوچا تھا اور اب اس کی جگہ سالار لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھر پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت والا پکڑا کرتا ہے - چنانچہ وہ بھی واقعہ حرۃ کے بعد تین ماہ سے کم اور دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر مکہ معظمہ سے واپس چلے گئے - یزید کی موت ۱۵ ربیع الاول سنہ ۶۴ ہجری کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی اس کی ماں کا نام میسون بنت بحدل کلبیہ تھا، یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال

آٹھ ماہ اور کچھ دن تھی۔

* * *

خلاصہ بحث یہ ہے کہ

اول تو یزید "غزوہ قسطنطنیہ" میں بخوشیِ خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارتِ مغفرت کا تعلق اس کے ان گناہوں سے ہوگا جو اب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس "غزوہ قسطنطنیہ" میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے ذمہ باقی ہیں، اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے ہے، اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عدم تعمیم کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گذری ہے۔ اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کارناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں یا اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں[1] لیکن

---

[1] حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنہ" میں لکھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل حق میں سے کوئی شخص بحالت صحت ہوش و حواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے جنتی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے

ہاں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں جہاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں،

وفیه مشروعیة الجهاد مع کل امام لتضمنه الثناء علی من غزا مدینة قیصر وکان امیر تلک الغزوة یزید بن معاویة ویزید یزید۔

(فتح الباری۔ جلد ۱۱ صـ ۹۵)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران کی معیت میں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ حدیث غازیان شہر قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالانکہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ اور یزید تو یزید ہی تھا۔ (کہ اس کی نابکاری وفالالتقی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

فطائفة من الجهال یظنون یزید هذا من الصحابة وبعض غلاتهم یجعله من الانبیاء۔

(ج ۲ ص ۱۷۹ مطبع امیریہ بولاق مصر سنہ ۱۳۲۲ ہجری)

ناصبی جاہلوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔

غنیمت ہے ہمارے دور کے ناصبی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف "خلیفہ راشد" سمجھتے ہیں اور "سیدنا" کہہ کر اس کی خدمت میں آداب بجا لاتے ہیں۔

معلوم خاص وعام ہے ۔

اور امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں :-

وقد كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ايوب الانصاري مع يزيد اللعين ۔

(ج ۔ ۳ ص ۴۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء کے ساتھ بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے ۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے "یزید لعین" کی معیت میں بھی جہاد فرمایا ہے ۔

"مدینہ قیصر" سے مراد قسطنطنیہ نہیں ، بلکہ حمص ہے ۔

اور یاد رہے کہ ساری بحث اس صورت میں ہے جب کہ ہم اس حدیث میں جو "مدینہ قیصر" کے الفاظ آئے ہیں اس سے "قسطنطنیہ" ہی مراد لیں ورنہ اگر "مدینہ قیصر" سے وہ شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت "قیصر" کا دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں "مدینہ قیصر" سے مراد "قسطنطنیہ" نہیں بلکہ "حمص" ہے چنانچہ شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں

و بعضے تجویز کنند کہ مراد "مدینہ قیصر" مدینہ باشد کہ قیصر در آنجا بود روزے کہ فرمود ایں حدیث را

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ "شہر قیصر" سے مراد وہی شہر ہے کہ جہاں قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت

نحضرت، و آں حمص است کہ در آں وقت دار مملکت او بود۔ واللہ اعلم

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر "حمص" تھا جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت تھا۔ واللہ اعلم۔

(شرح فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام مطبوعہ بر حاشیہ تیسیر القاری ج۔ ۴ ص ۶۶۹ طبع علوی لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ ہجری)

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دار الملک "حمص" نہیں بلکہ "قسطنطنیہ" ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی "مدینہ قیصر" کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اس سے مراد شہر "قسطنطنیہ" ہی لیا جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے لغت عرف، اشعار عرب اور آثار و احادیث سے سند لانا ضروری ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں یزید کی مذمت میں حدیثیں

یہ بھی واضح رہے کہ "صحیح بخاری" میں یزید کے بارے میں بس یہی ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی نے استفتاء میں درج کر دیا ہے بلکہ اور بھی متعدد روایات موجود ہیں جن میں یزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کر دی گئی ہے، یزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا چاہیئے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:-

پہلی حدیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو ظرفِ علم یاد کیے ہیں،

لم يبثه على الاحاديث التى فيها تبيين اسامى امراء السوء واحوالهم وزمنهم وقد كان ابو هريرة يكنى عن بعضهم ولا يصرح به خوفا على نفسه منهم كقوله: "اعوذ بالله من رأس الستين وامارة الصبيان" يشير الى خلافة يزيد بن معاوية لانها كانت سنة ستين من الهجرة واستجاب الله دعاء ابى هريرة فمات قبلها بسنة.

فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۳ طبع خیریہ مصر سنہ ۱۳۰۰ھ)

جس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث پر محمول کیا ہے جن میں امراء سوء (بدکردار و نابکار حاکموں) کے ناموں کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے کا بیان تھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق حکمرانوں میں سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا کرتے تھے مگر صراحۃً ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ کہیں وہ ان کو جان سے نہ مار ڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں اللہ تعالیٰ سے سنہ ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں" یہ یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ سنہ ۶۰ ہجری میں قائم ہوئی اور حق تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

دوسری حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الصحیح" میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلاک امتی علی یدی اغیلمۃ من قریش"

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی"

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے،

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید قال اخبرنی جدی قال کنت جالسا مع ابی ھریرۃ فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ومعنا مروان قال ابو ھریرۃ سمعت الصادق المصدوق یقول "ھلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش" فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ فقال ابو ھریرۃ لو شئت ان اقول بنی فلان بنی فلان فعلت، فکنت

عمرو بن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان نے بتلایا کہ مدینہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے صادق و مصدوق صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی" اس پر مروان کی زبان سے نکلا "خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے ہوں گے! حضرت ابو ہریرہ رضی

اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا بالشام فاذا رأهم غلمانا أحداثا قال لنا عسی هؤلاء ان یکونوا منهم قلنا انت أعلم ۔

اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔ (عمرو کا بیان ہے کہ) پھر میں اپنے داداجان کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا کرتا تھا اور داداجان جب ان نوخیز لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ غالباً یہ وہی لوگ ہیں (جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ نے بتایا تھا) ہم یہ سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے

میری امت کی تباہی قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے

اِن فساد أمتی علی یدی غلمۃ سفہاء من قریش ۔

میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔۔

(ج ١٢ - ص ٨)

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت

اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں

آپ کی نظر سے گذرا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو علی بن الجعد اور ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، ان الفاظ میں مذکور ہے۔

اعوذ بالله من امارة الصبيان. قالوا وما امارة الصبيان؟ قال ان اطعتموهم هلكتم، وان عصيتموهم اهلكوكم.

(فتح الباری ج-۱۳- ص ۸)

”میں اللہ سے لونڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں“ حاضرین نے عرض کیا: لونڈوں کی امارت کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے (کہ دین برباد ہوا) اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے چھوڑیں گے (یعنی تمہیں جان سے مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ کر کے رکھ دیں گے۔[1]

---

[1] آپ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے، حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھیے، فرماتے ہیں:-

شمر بن ذي الجوشن أبو السابغة الضبابي عن أبيه وعنه أبو اسحاق السبيعي ليس بأهل للرواية فانه أحد قتلة

شمر بن ذی الجوشن ابو السابغہ ضبابی، اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اور اس سے ابو اسحاق سبیعی۔ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے، کیونکہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وقد قتلہ أعوان المختار، روی ابوبکر بن عیاش عن أبی اسحق قال کان شمر یصلی معنا ثم یقول: اللھم انك تعلم أنی شریف فاغفرلی قلت: کیف یغفر اللہ لك وقد أعنت علی قتل ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ویحك فکیف نصنع؟ إن امراءنا ھؤلاء أمرونا بأمر فلم نخالفھم ولو خالفناھم کنا شرا من ھذہ الحمر الشقاة۔

قلت ان ھذا العذر قبیح فانما الطاعة فی المعروف۔

(ج-١ ص ٣٤٩ - طبع مصر ١٣٢٥ھ)

* * *

یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کا ایک فرد تھا، شمر کو مختار کے کارندوں نے قتل کیا، ابوبکر بن عیاش، ابواسحاق سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں اس لیے مجھے بخش دے اس پر میں نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشنے لگا تونے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل میں اعانت کی ہے کہنے لگا: تجھ پر افسوس! پھر ہم کیا کرتے ہمارا کیا بس تھا، ہمارے ان حاکموں نے ہمیں ایک حکم دیا تھا ہم نے اس کی مخالفت نہ کی، اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ان بدنصیب گدھوں سے بھی بدترین بن جاتے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عذر بیہودہ ہے، اطاعت تو صرف نیک کام میں ہوا کرتی ہے۔

ان اباھریرۃ کان یمشی فی السوق و یقول اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان۔

فتح الباری ج ۔ ۱۳ ص ۸ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرنے لگے " اے اللہ مجھے ۶۰ سنہ کا زمانہ نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی امارت کا "

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں میں یزید سر فہرست ہے؛

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

وفی ھذا اشارۃ الی أن اول الاغیلمۃ کان فی سنۃ ستین و ھو کذالک فان یزید بن معاویۃ استخلف فیھا وبقی الی سنۃ اربع وستین فمات۔

فتح الباری ج ۔ ۱۳ ۔ ص ۸

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے پہلا لونڈا ۶۰ سنہ میں برسر اقتدار آیا جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ یزید بن معاویہ اسی ۶۰ سنہ میں بادشاہ بنا اور پھر ۶۴ سنہ تک زندہ رہ کر مر گیا

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ :

" اس روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کے عموم کی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابوزرعہ نے ان سے نقل کیا ہے اور جو " باب علامات النبوۃ " میں بایں الفاظ گزر چکی

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا

نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں

(تنبیه) یتعجب من لعن مروان الغلمة المذکورین مع ان الظاهر انهم من ولده فکأن الله تعالی أجری ذالك علی لسانه لیکون اشد فی الحجة علیهم لعلهم یتعظون،

وقد وردت أحادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد اخرجها الطبرانی وغیره غالبها فیه مقال و بعضها جید ولعل المراد تخصیص الغلمة المذکورین بذالك۔

(ج - ۱۳ - ص ۹)

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی زبان سے کہلوا دی تاکہ ان لونڈوں پر سخت حجت قائم ہو جائے اور شاید اس بات سے وہ کچھ نصیحت پکڑیں

اور [illegible] مروان کے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت وارد ہوئی ہے ان حدیثوں کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر روایات میں گفتگو کی گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے

یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر مظالم

غرض قریش کے چند نوخیز لونڈے جن کے ہاتھوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے ان سب میں اول نمبر یزید پلید کا ہے، چنانچہ اس کی ولی عہدی کی سلسلہ جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخیار امت صحابہ و تابعین پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین و تذلیل کی گئی اور ان کے ساتھ قتل و غارت کا جو معاملہ ہوا۔ اس سے تاریخ اسلام کے اوراق پُر ہیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات ضمناً آ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

(٣) حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا ابو عوانة عن أبي بشر عن يوسف بن ماهك قال كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكي يبايع له بعد ابيه، فقال له عبد الرحمن بن أبي بكر شيئا فقال خذوه فدخل بيت عائشة فلم يقدروا، فقال مروان ان هذا الذي

یوسف بن ماہک کا بیان ہے کہ مروان، حجاز کا گورنر تھا، جس کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا عامل مقرر کیا تھا اس نے خطبہ دیا جس میں یزید بن معاویہ کے متعلق ذکر کرنے لگا "تاکہ اس کے باپ کے بعد اس کے لیے بیعت لے لی جائے اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے کچھ کہا تو اس نے ابرافروختہ ہو کر اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کر لو، یہ سن کر حضرت عبد الرحمٰن

انزل فیه " وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَا أَتَعِدَانِنِیْ ٥ فقالت عائشة من ورا الحجاب ما انزل اللّٰه فینا شیئًا من القرآن الا ان اللّٰه انزل عذری!

(صحیح بخاری ج ۲ - ص ۷۱۵
کتاب التفسیر، سورہ احقاف)

بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ چل سکا۔ اب مروان (جھلا کر) بولا یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی " اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے کیا تم مجھ کو وعدہ دیتے ہو؟ الخ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مذمت میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں کیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ نے میری برأت اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل "مستخرج اسماعیلی" میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے:-

فاراد معاویة ان یستخلف

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ

يزيد يعني ابنه فكتب إلى مروان بذالك فجمع مروان الناس فخطبهم وذكر يزيد ودعا إلى بيعته ؛ وقال إن الله أرى امير المومنين فى يزيد رأيا حسنًا وان يستخلفه فقد استخلف ابوبكر وعمر۔

کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اس میں یزید کا ذکر کر کے اس کی بیعت کی دعوت دی، اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں اچھی رائے سجھائی ہے۔ اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکر و عمر بھی خلیفہ بنا چکے ہیں

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا مروان کو برسرِ منبر ٹوکنا

ظاہر ہے کہ اس لغو بیانی کا جواب سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دینا چاہیئے تھا، چنانچہ حسبِ توقع انہوں نے نہایت جرأت سے کام لے کر بڑی بے باکی سے "سلطان جابر" کے سامنے کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا:۔

ماهى إلا هرقلية۔

یہ تو ہرقل[1] کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔

---

[1] ہرقل عیسائیوں کے فرمانروا قیصر کا نام ہے۔

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

فقال مروان سنة ابی بکر وعمر فقال عبد الرحمٰن سنة هرقل وقیصر

مروان کہنے لگا یہ ابو بکر اور عمر کی سنت ہے۔ اس پر حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ) ہرقل وقیصر کی رسم ہے۔

اور مسند ابی یعلی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ کی یہ تفصیل مروی ہے۔

کنت فی المسجد حین خطب مروان فقال ان اللّٰه قد اری أمیر المؤمنین رأیا حسنًا فی یزید، وان یستخلفه فقد استخلف ابوبکر وعمر، فقال عبد الرحمن هرقلیة ان ابا بکر واللّٰه ماجعلها فی احد من ولده، ولا فی اهل بیته، وما جعلها معاویه الاکرامة لولده۔

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں مسجد نبوی میں موجود تھا کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یزید کے بارے میں عمدہ رائے سجھائی ہے۔ اگر اُس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابو بکر و عمر بھی بنا چکے ہیں۔ اس پر حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقل کا طریقہ ہے واللہ ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت نہیں سونپی اور نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنایا، مگر معاویہ تو بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشنا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا

ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی؟ فوراً الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا۔

کذب واللہ ما انزلت فیہ ۔

واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے یہ آیت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی

مسند ابو یعلیٰ میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر مروان منبر سے اتر کر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور آپ نے بھی اس کو ویسے ہی جواب دیئے آخر واپس چلا گیا[لہ]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق معاویہ اور ابوسفیان سے افضل ہیں

اب ذرا غور کیجیئے، مروان کی یہ تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی ہے، مسجد نبوی میں، روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے اس پر افترا پردازی کا یہ عالم ہے کہ اس ولی عہدی کی رسم کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت بتلا رہا ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابوبکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کی رسم لی

[لہ] ان سب روایات کے لیے ملاحظہ ہوں فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۲ و ۴۴۳

عہدی ہے تو بگڑ جاتا ہے الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں یہ کس باپ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے ان کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بنص قرآن افضل ہیں، کیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مولفۃ القلوب میں تھے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاء" میں ان کا شمار ہے۔ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لیے چالیس وسق سالانہ خرما کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے "کان من سادات المسلمین" (یہ مسلمانوں کے اکابر میں سے تھے) اور "وکان معظما بین اھل الاسلام" (اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے)[1] اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا معاویہ کی رقم کو واپس کر دینا

حافظ ابن کثیر نے زبیر بن بکار سے بسند نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۸ و ۸۹ طبع مصر مطبعۃ سعادۃ

حضرت ممدوح نے یہ کہہ کر ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ ابیع دینی بدنیای؟ (کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں[1]

آخر کار اکابر صحابہ کے پر زور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف یزید راج سنگھاسن پر براجمان ہو جاتا ہے، اور امتِ محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان امنڈ آتا ہے۔ رجب سنہ ۶۰ ہجری میں یزید بادشاہ بنا، اور اسی سال ماہ رمضان میں یزید اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کا تقرر کرتا ہے۔

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لیے معزول کرنا کہ اس نے حضرت حسین و ابن زبیر پر سختی نہ کی تھی

ولید کا قصور یہ تھا کہ اس نے بیعت کے معاملہ میں حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی اس لیے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ منورہ سے بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا ان کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آ چکا تھا کہ

> اما بعد فخذ حسینا
> وعبد اللّٰہ بن عمر و
> عبد اللّٰہ بن الزبیر بالبیعة
> اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصة
> حتی یبایعوا والسلام[2]

اما بعد حسین، عبداللہ بن عمر اور
عبداللہ بن زبیر کو بیعت کے لیے
سختی کے ساتھ پکڑو، اور جب
تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں ذرا
ڈھیل نہ ہونے پائے۔ والسلام

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۸ و ۸۹ طبع مصر مطبعۃ السعادۃ
[2] البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۴۶ و ۱۴۷

مروان کا مشورہ کہ ان حضرات کا سر قلم کر دیا جائے

مروان کا مشورہ ان حضرات کے بارے میں ولید کو یہ تھا کہ اگر یہ حضرات بیعت نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دو۔ مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لئے اس شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے جو اس کی معزولی کی وجہ میں "لتفریطہ"[1] کا لفظ لکھا ہے وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔

حضرت ابوشریح کا گورنر مدینہ کو حرم پر فوج کشی سے منع کرنا

چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اسی ماہ میں مدینہ آگیا یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر تھا، حافظ ابن کثیر کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں وکان متالهًا متکبرًا[2] (یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الٰہی میں پناہ گزین تھے اس لئے اس نابکار نے ان کو گرفتار کرنے کے لئے مدینہ میں آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔[3] اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور و محترم صحابی حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے۔

چوتھی حدیث

(۴) حدثنا عبداللہ بن   حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیرؒ ج ۸ ص ۱۴۸ [2] ایضاً [3] مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں اس واقعہ کو عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانۂ حکمرانی میں ہوا ہے (ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ترجمہ یزید بن معاویہ اور "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" ترجمہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

يوسف قال حدثنا الليث
قال حدثني سعيد هو
ابن ابي سعيد عن ابي
شريح انه قال لعمرو
بن سعيد - وهو يبعث
البعوث إلى مكة ائذن
لي ايها الأمير أحدثك
قولاً قام به رسول الله
صلى الله عليه وسلم الغد
من يوم الفتح سمعته
اذناي ووعاه قلبي وابصرته
عيناي حين تكلم به حمد
الله واثنى عليه ثم قال
ان مكة حرمها الله ولم
يحرمها الناس فلا يحل
لامرئ يؤمن بالله واليوم
الآخر ان يسفك بها دمًا
ولا يعضد بها شجرة فان
أحد ترخص لقتال رسول
الله فيها فقولوا ان الله
قد اذن لرسوله ولم يأذن

نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ مکہ
معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوج کے
دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر
اجازت دیجیے تاکہ میں آپ کے
سامنے وہ حدیث بیان کروں جس
کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے
ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے
دونوں کانوں نے سنا اور دل نے
یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو
بیان فرما رہے تھے تو میری دونوں
آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں
آپ نے حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد
فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم
بنایا ہے، لوگوں نے اس کو حرم
نہیں بنایا لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ
اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس
کے لیے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں
کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا
کوئی درخت کاٹے، پھر اگر کوئی
شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکم وانما اذن لی فیہا ساعۃ من نہار ثم عادت حرمتہا الیوم کحرمتہا بالامس ولیبلغ الشاہد الغائب، فقیل لابی شریح ما قال عمرو قال انما انا اعلم منک یا ابا شریح لا تعیذ عاصیًا ولا فارًا بدم ولا فارًا بخربۃ

(صحیح بخاری کتاب العلم باب لیبلغ الشاہد الغائب)

کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس امر کی رخصت چاہے تو اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس کی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی گھڑی بھر دن کی اجازت تھی پھر آج اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو چاہیئے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر ابو شریح سے دریافت کیا گیا کہ عمرو نے پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا، اس نے کہا اے ابو شریح میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں مکہ نہ کسی عاصی کو پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کرکے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں فرار ہو جائے۔

گورنر مدینہ کا صحابی رسول کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا

غور کیجئے: صحابی رسول حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم الٰہی پر فوج کشی سے روکنے کے لیے یزید کے گورنر کو حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بدبخت ان کے سامنے اپنی علمیت بگھارتا ہے، کہتا ہے "میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں" امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف المحلی کی کتاب الجنایات" میں بالکل صحیح لکھتے ہیں:۔

لا کرامة للطیم الشیطان الشرطی الفاسق یرید ان یکون اعلم من صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذا الفاسق هو العاصی لله ولرسوله، ومن والاه او قلده۔ وما حامل الخزی فی الدنیا والآخرة الا هو ومن امره۔

اس لطیم الشیطان[عہ]، پولیس مین، فاسق کی کیا یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی سے بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔ عاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہیں بلکہ یہی فاسق اللہ اور اس کے رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے اس سے دوستی کی یا اس کے کہے پہ چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت اٹھانے والا بھی تھا اور وہ یزید جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا

حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر مدینہ کی ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں۔

اور شیخ الاسلام محمد محمود بدر محمود عینی شرح بخاری میں رقمطراز ہیں۔

[عہ] لطیم الشیطان کے معنی ہیں جس کو شیطان نے چپت لگایا ہو۔ یہ عمرو بن سعید اشدق کا لقب ہے۔

و این دعوی مجرد است و مردود
بر وے ، زیرا چہ عبد اللہ بن زبیر
صحابی است متعبد ، جامع صفات
حمیدہ ، و کارے نکردہ کہ بداں
مستحق قتل باشد بیرون حرم
و نہ خروج کردہ بر احدے ،
و نہ خواند مردم را بہ بیعت خود
باآنکہ ناخوش بودند از یزید
اہل حرمین و مبادرت نکردند
بہ بیعت وے جز اہل شام بنا بر
تولیہ پدرش معاویہ ، و اقتناع
آورد عبد اللہ و غیر وے از بیعت
آں نااہل کہ مسرف در معاصی
و مرتکب کبائر بود و پناہ گرفت
از شر وے در گوشہ حرم ، پس
تعین کرد لشکر با لقتال ابن زبیر
بمکہ ۔

(ج ۔ ۳ ص ۳۲۲ طبع مطبع
علوی لکھنو ۱۳۰۲ھ)

اور یہ گورنر مدینہ ، عمرو بن سعید کا
خالی خولی دعوی ہے جو مردود ہے
کیونکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنہما ایک عابد صحابی تھے ، صفات
حمیدہ کے جامع ، انہوں نے کوئی
کام ایسا نہ کیا تھا جس کی بنا پر بیرون
حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے ، اور
نہ کسی کے خلاف انہوں نے خروج
کیا تھا ، نہ لوگوں کو (ابھی تک) اپنی
بیعت کی دعوت دی تھی ، حالانکہ
اہل حرمین یزید سے خوش نہ تھے
اور یزید کی بیعت پر بجز اہل شام
کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ
لیا ، اور اہل شام نے اس لئے جھٹ
پٹ بیعت کر لی کہ اس کے باپ
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا اور حضرت
عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے
حضرات نے اس نااہل کی بیعت کرنے
سے اس لیے سختی سے انکار کر دیا کہ یہ
معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور

کبائر کا مرتکب تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی شر سے بچنے کے لیے حرم محترم کے گوشہ میں پناہ لے رکھی تھی لہٰذا اس نے مکہ معظمہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلویؒ "تیسیر القاری شرح صحیح بخاری" میں ارقام فرماتے ہیں :-

کلام این مفسد حجت را نمی شاید از آنکہ خلاف متعارف اہل دین است، در روایت امام احمد آمدہ کہ گفت ابوشریح گفتم عمرو را من حاضر و تو غائب بودی، و بموجب امر آنحضرتؐ رساندم ترا، و این مشعر است تا آنکہ ابوشریح قبول گفتۂ عمرو نکردہ و او را بوے گزاشتہ از جہت عجز و عدم قدرت بجہت شوکت و غلبہ او۔

(ج ۲ - ص ۱۵۷، طبع علوی لکھنؤ)

اس مفسد (عمرو) کی بات حجت کے لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور کے خلاف ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا تھا میں اس وقت حاضر تھا اور تو غائب۔ اس لئے تو حدیث کا مطلب کیا جانے؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تجھے تبلیغ کر دی۔ اس بات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو شریح نے بھی

تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں مانا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ حاصل تھا اور آپ اسکے مقابلے سے عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لیے ا زبانی فہمائش کے بعد آپ نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کیا وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اکبر تھے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے نواسے ہیں ان کے خلاف حرم محترم پر صرف اس لیے فوج کشی کی گئی کہ انہوں نے یزید پلید سے بیعت نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیر کے فضائل حضرت ابن عباس کی زبانی

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ پڑھیے:

أما أبوه فحواری النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید الزبیر۔ وأما جدہ فصاحب الغار۔ یرید أبا بکر۔ وأما

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حواری تھے اور ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپؐ کے رفیق غار تھے

أمه فذات النطاق يريد أسماء - وأما خالته فأم المؤمنين يريد عائشة - وأما عمته فزوج النبي صلى الله عليه وسلم - يريد خديجة - وأما عمة النبي صلى الله عليه وسلم فجدته يريد صفية - ثم عفيف في الإسلام قارئ للقرآن -

صحیح بخاری باب قولہ
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق (کہ جنہوں نے ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زاد سفر اپنے پٹکے سے باندھا تھا) اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی (ان کے ابا کی پھوپھی مراد ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمہ محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے والے ہیں۔

مصاحف عثمانی کی کتابت میں حضرت ابن زبیر کی شرکت

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے اور جس کو شب و روز ہم پڑھتے ہیں اس کی نقلیں حضرت امیر المؤمنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نگرانی میں کرا کر ممالک محروسہ میں روانہ کی تھیں۔ ان مصاحف کی کتابت کے لیے حضرت امیر المؤمنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا

ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ ۱؎

حضرت ابن زبیر کے فضائل احادیث کی روشنی میں۔

صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب و ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان دنوں یہ شکم مادر میں تھے۔ اور وضع حمل کی مدت قریب تھی چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادت ہوئی فرماتی ہیں

ثم اتیت به النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضعه فی حجرہ ثم دعا بتمرۃ فمضغها ثم تفل فی فیه فکان اول شیء دخل جوفه ریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم حنکه بتمرۃ ثم دعا له وبرك علیه وکان اول مولود ولد فی الاسلام (باب هجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه الی

پھر میں بچہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ نے ایک کھجور منگوائی اور اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔ پھر آپ نے کھجور کو ان کے تالو پر مل دیا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ اور یہ پہلے بچے تھے جو اسلام میں (یا ہجرت کے بعد مہاجرین میں) پیدا

۱؎ ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب جمع القرآن، بقیہ حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) حضرت زید بن ثابت (۲) حضرت سعید بن العاص (۳) حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اجمعین

المدینه :

ہوئے

اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ یہ ہیں

أول مولود ولد في الاسلام
عبد الله بن الزبير أتوا به
النبي صلى الله عليه وسلم
فأخذ النبي صلى الله عليه
وسلم تمرة فلاكها ثم
ادخلها في فيه فأول ما
دخل في بطنه ريق
النبي صلى الله عليه وسلم

(صحیح بخاری
باب مذکور)

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں میں) پیدا ہوا وہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے ان کو (ان کے گھر والے) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کھجور منگوا کر پہلے اس کو اپنے دہن مبارک میں چبایا اور ان کے منہ میں اس کو ڈال دیا چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو پہنچی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب دہن تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اتنا اضافہ اور آیا ہے :

ثم مسحه وصلى عليه
وسماه عبد الله ثم جاء
وهو ابن سبع سنين او
ثمان ليبايع رسول الله صلى
الله عليه وسلم وامره

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے دعا خیر کی اور ان کا نام عبد اللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بذلك الزبير فتبسم رسول
الله صلى الله عليه وسلم حين
رآه مقبلا إليه ثم
بايعه ۔

سے بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت
ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا
اور پھر ان سے بیعت لے لی ۔

(باب استحباب تحنیک
المولود عند ولادتہ)

امام نووی ؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وفی هذا الحدیث
مناقب کثیرة لعبد الله
بن الزبیر رضی الله عنه
منها أن النبی صلی الله
تعالی علیه وسلم مسح علیه
وبارك علیه ودعا له و
أول شیء دخل جوفه
ریقه صلی الله علیه وسلم
وانه أول من ولد فی
الاسلام بالمدینة والله
أعلم ۔

(شرح صحیح مسلم از امام نووی باب مذکور)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت
سے مناقب ہیں، منجملہ ان کے ایک
یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، (۲) ان کے
لیے برکت طلب کی (۳) ان کے
حق میں دعائے خیر فرمائی (۴) پہلی
چیز جو ان کے پیٹ میں پہنچی وہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا لعاب دہن تھا (۵) یہ اسلام
میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں
(ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے ۔

اور مستخرج اسماعیلی میں "صحیح بخاری" کی اس روایت میں "فی الاسلام" کے بعد یہ اضافہ بھی ہے ۔

ففرح المسلمون فرحًا شديدًا لأن اليهود كانوا يقولون سحرناهم حتى لا يولد لهم

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۴)

یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اب ان کے یہاں اولاد نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی ہوئی، یزید اور اس کا گورنر عمرو اشدق اسی کے قتل کرنے کے درپے ہوں، اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں

واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر عمرو بن سعید اشدق وہی نابکار ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت آئی ہے:

سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول ليرعفن على منبري جبار من جبابرة بني أمية حتى يسيل رعافه قال فأخبرني من رأى عمرو بن سعيد بن العاص رعف على منبر رسول الله صلى الله

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "یقیناً بنی امیہ کے ستمگاروں میں سے ایک ستمگار کی میرے منبر پر اس طرح نکسیر پھوٹ کر رہے گی کہ بہنے لگ جائے گی۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پھر مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو اس حال میں

صلى الله تعالى عليه وسلم حتى سال ما حافه۔

(البدایہ والنہایہ۔ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۲۱۱)

دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر اس کی نکسیر اتنی چھوٹی کہ وہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی امیہ نے اپنے دین کو ذبح کرکے رکھ دیا

غرض یزید کی ولی عہدی کی ابتدا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی اہانت سے ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الٰہی میں فوج کشی سے اور ابھی سال جلوس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ دودمانِ نبوی کے گل سرسبد کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانست میں خاندانِ نبوت کا چراغ گل کرکے رکھ دیا ۱؎، محرم ۶۱ھ ہجری کے یوم عاشورا میں اہل بیت رسالت پر یزیدی لشکر کے ہاتھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

ضحى بنو امية يوم كربلا بالدين ۲؎

کربلا کے دن بنو امیہ نے اپنے دین کو ذبح کرکے رکھ دیا۔

(۵) قرابت رسول اللہ کا پاس لحاظ

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم" یعنی "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان

۱؎ اور اسی طرح اختتام بھی، ۲؎ تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، ترجمہ یزید بن عبدالملک بن مروان۔

اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا :

ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ ۔	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس ولحاظ رکھو ۔

یعنی " نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ کسی قسم کا بُرا برتاؤ ہونے پائے " اور اسی باب میں حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں ۔

والذی نفسی بیدہ ؕ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أحب الیّ أن أصل من قرابتی	قسم اس ذات عالی کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا اس قدر پاس ولحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی اور دعا استسقاء کی ضرورت پڑتی ، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے ، اور خود ان سے دعا کراتے ، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے ۔

ان عمر بن الخطاب رضی	جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت

الله عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس ابن عبد المطلب فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون ۔

(باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے کہ الٰہا ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے پھر تو ہم پہ بارش برساتا تھا اور اب اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم پر مینہ برسا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر لوگوں پہ مینہ برسنے لگتا تھا

حدیث میں "قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں :۔

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسے کہ منتسب است بعبد المطلب و مومن است چنانکہ علی مرتضیٰ و ابنائے او رضی اللہ عنہم ۔ تیسیر القاری ج ۴۔ ص ۵۰۴ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۶ھ

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی "قرابت" سے مراد وہ مومن حضرات ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبد المطلب سے ملتا ہے جیسے حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے "تیسیر القاری" میں جو کچھ لکھا ہے وہی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"من ينسب لعبد المطلب مؤمنا كعلي وبنيه" اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو باب مناقب الحسن والحسین میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحت ان تمام حضرات کو نام بنام گنوایا ہے جو اس وقت خواجہ عبد المطلب کی اولاد میں بقید حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل تھا، ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکل و صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے "قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پاس و لحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔

عبید اللہ بن زیاد جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ آنے کی خبر سن کر وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اس کی سنگدلی اور قساوت قلبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو چھیڑنے اور آپ کے حسن پر طعن کرنے لگا، اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

کان اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم (صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین)

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

فقلت له إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلثم حيث تضع قضيبك قال فانقبض ۔

(فتح الباری باب مذکور)

میں نے اس سے کہا جہاں تو اس وقت اپنی چھڑی رکھ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے یہ سن کر وہ شقی گھوٹ کر رہ گیا ۔

اور معجم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

فجعل يجعل قضيبه في يده في عينه وانفه ، فقلت ارفع قضيبك فقد رأيت فم رسول الله صلى الله عليه وسلم في موضعه ۔

(فتح الباری باب مذکور)

ابن زیاد بد نہاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں نے اس سے کہا اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ رکھتے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری چھڑی اس وقت ہے ۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس و لحاظ جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ارقبوا محمدًا

فی اھل بیتہ" اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نور الحق بن عبد الحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

گفت ابو بکر نگہدارید و محافظت کنید محمد را در اہل بیت او یعنی حفظ حرمت محمد و تعظیم او در گرامی داشتن اہل بیت اوست۔ (تیسیر القاری" ج ۔ ۳ ص ۴۵۱)	حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت و تعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز میں ہے۔

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:۔

گفت ابو بکر صدیق نگہدارید عزت و شرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در نگہداشت حرمت و تعظیم در حق اہل بیت آنحضرت" "تیسیر القاری" (ج ۔ ۳ ص ۴۶۳)	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت کے حق میں ان کی حرمت و تعظیم کو مدنظر رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزت و شرف کو ملحوظ رکھو۔

یزیدی لشکر نے کربلا کے میدان میں جوانان اہل بیت پر جو ظلم و ستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نور الحق محدث دہلوی نے تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

در شرح این قضیہ جانگزا جگر آب شدہ	اس قضیۂ جاں گسل کو بیان کرتے ہیں

جگر پانی پانی ہو گیا اور قلم ہاتھ سے گر پڑا .... کسی مسلمان کے حوصلہ سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ بھی کر سکے ۔

وقلم از دست او فتاد ..... از حوصلہ طبع مسلمانے بیرون است کہ اشائتے باں نواں نمود ۔

(ج-۳ ص ۶۴۴)

یزید کی شقاوت

اور علامہ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی "کتاب الاتحاف بحب الاشراف" میں فرماتے ہیں ۔

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید پر شقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت شریف نبوی کے ستانے پر کمر باندھی قتل حسین کے لیے اپنی سپاہ بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حرم اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا حالانکہ یہ حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک روئے زمین پر بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے

لا ریب ان اللہ سبحانہ قضی علی یزید بالشقاوۃ فقد تعرض لآل البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ واولادہ وھم اکرم اھل الارض حینئذ علی اللہ سبحانہ

(ص ۱۸ طبع مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۱۸ھ)

ابن زیاد کا طرزِ عمل صحابہؓ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا

امام بخاریؒ نے ”الجامع الصحیح“ میں ایک باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں ”باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح“، یعنی جس کو رعیت کا والی بنایا جائے اور پھر وہ رعیت کی خیر خواہی نہ کرے“ اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں:

(۱) عن الحسن ان عبید الله بن زیاد عاد معقل بن یسار فی مرضه الذی مات فیه فقال له معقل انی محدثك حدیثاً سمعته من النبی صلی الله علیه وسلم یقول ما من عبد یسترعیه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة لم یجد رائحة الجنة	(۱) حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے آیا[1] تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ یزید کے عہد حکومت کا واقعہ ہے۔

کی نگرانی سپرد فرمائے اور پھر وہ پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔

(۲) وعن الحسن أتينا معقل بن يسار نعوده۔ فدخل عبيد الله بن زياد فقال له معقل أحدثك حديثا سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما من وال يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش الا حرم الله عليه الجنة۔

(۲) نیز حضرت حسن بصری رحؒ کا بیان ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اتنے میں عبید اللہ بن زیاد بھی آگیا۔ حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے ارشاد فرمایا جو حکمران بھی مسلمانوں کی کسی رعیت کا حاکم ہو اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دغا بازی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔"

صحیح مسلم میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں اتنا اضافہ اور ہے:۔

لو علمت ان لی حیاۃ ما حدثتک

اگر میں یہ سمجھتا کہ میری ابھی زندگی باقی

به

ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا۔

(ج ۲ ص ۱۴۲)

اور دوسری روایت میں ہے:

لولا إنی فی الموت لم احدثك به۔ (باب فضیلة الامیر العادل وعقوبة الجائر)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے بیان بھی نہ کرتا۔

یہ حدیث "صحیح مسلم" میں "کتاب الایمان" میں بھی ہے اور "کتاب الامارہ" میں بھی، صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو سن کر ابن زیاد حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا:

الاکنت حدثتنی هذا قبل الیوم، قال ما حدثتك أو لم أكن لاحدثك۔

یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے پہلے کیوں بیان نہیں کی، فرمایا: بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے:-

كان يخشى بطشه فلما نزل به الموت أراد ان يكف بذالك بعض شره عن المسلمين۔

(ج ۱۳ ص ۱۱۳)

وہ ابن زیاد بدنہاد کی سخت گرفت سے ڈرتے تھے، جب موت کا وقت آگیا تو چاہا کہ اس طرح ہی مسلمانوں پر سے اس کی شر کو کچھ دفع کیا جائے۔

ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ بدتمیزی،

یہ حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اسی قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آ چکا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے بایں الفاظ مروی ہے۔

(۲) عن الحسن قال لما قدم علینا عبید الله بن زیاد أمیرًا أمّره علینا معاویة غلامًا سفیهًا یسفك الدماء سفكًا شدیدًا وفینا عبد الله بن مغفل المزني فدخل علیه ذات یوم فقال له انته عما أراك تصنع فقال له وما أنت وذاك. قال ثم خرج إلى المسجد فقلنا له ما كنت تصنع بكلام هذا السفیه علی رؤوس الناس؟ فقال انه كان عندي علم فأحببت أن لا أموت حتى أقول

حضرت حسن بصری رح کا بیان ہے کہ جب ہمارے پاس عبیداللہ بن زیاد امیر بن کر آیا، اس کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر بھیجا تھا یہ ایک بے وقوف چھوکرا تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں کا خون بہایا کرتا تھا اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے، وہ ایک روز اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمانے لگے کہ "جو کچھ میں تمہیں کرتے دیکھ رہا ہوں اس سے باز آ جاؤ" اس نے اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ جواب دیا کہ تم اس سے منع کرنے

به على رؤس الناس، ثم قام فما لبث ان مرض الذي توفي فيه فأتاه عبيد الله بن زياد يعوده فذكر نحو حديث ابان۔

فتح الباری
(ج ۱۳، ص ۱۱۳)

والے کون ہوتے ہو! پھر حضرت ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو ہم نے ان سے عرض کیا آپ بر سر عام اس بے وقوف کے منہ لگ کر کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس علم تھا سو مجھے یہ پسند آیا کہ جب تک اس کو بر سر عام بیان نہ کر دوں موت کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو آلیا، اسی بیماری میں عبید اللہ بن زیاد بھی آپ کی عیادت کے لیے آیا اور آپ نے اسی مضمون کی حدیث اس کو بیان کی جو اس باب میں مذکور ہے۔

(۳) ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمرو کے ساتھ بدتمیزی

اسی سلسلہ کا ایک اور واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بدنہاد نے بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیتا الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ یہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

إن عائذ بن عمرو، وكان

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ

من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ـ دخل علی عبید الله ابن زیاد فقال ای بنی انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول. ان شر الرعاۃ الحطمة، فایاك ان تکون منهم، فقال له: اجلس فانما انت من نخالة اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم: فقال وهل کانت لهم نخالة انما کانت النخالة بعدهم وفی غیرهم

ج ۲ ص ۱۲۲

عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، عبید اللہ بن زیاد کے پاس آ کر فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: حکمرانوں میں سب سے بُرا وہ ہے جو لوگوں کو پیس مارے، تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچے رہو، یہ سن کر وہ کہنے لگا اے بڑے میاں: بیٹھ جاؤ، تم تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو! یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہ میں بھی بھوسی تھی؟ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں کہ جو صحابی نہیں ہیں۔

ابن زیاد کا حضرت ابو برزہ کا مذاق اڑانا

(۴)

اور اسی نوع کا ایک اور واقعہ سنن ابو داؤد میں یہ منقول ہے۔

حدثنا مسلم بن ابراهیم نا عبد السلام بن ابی حازم

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا کہ ہمیں ابو طالوت عبد السلام بن

أبو طالوت قال شهدت
أبا برزة دخل على
عبيد الله بن زياد فحدثني
فلان[1] سماه مسلم - وكان
في السماط - قال فلما رآه
عبيد الله قال ان محمدكم
هذا الدحداح" ففهمها
الشيخ فقال" ما كنت
أحسب أني ابقى في
قوم يعيروني بصحبة
محمد صلى الله عليه
وسلم" فقال له عبيد الله
ان صحبة محمد صلى
الله عليه وسلم لك زين
غير شين" ثم قال إنما
بعثت اليك لاسئلك
عن الحوض سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يذكر فيه شيئًا

ابی حازم نے بتلایا کہ میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس کے تشریف لے گئے تھے چنانچہ مجھ سے فلاں[1] صاحب نے بیان کیا ابوداؤد کہتے ہیں ہمارے استاد مسلم نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا مگر میرے ذہن سے اتر گیا جو اس وقت مجلس میں موجود تھے ان صاحب کا بیان ہے کہ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا او۔ "تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا" (آگیا) ۔ شیخ (حضرت) نے اس کی بات سمجھی تو فرمانے لگے "میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس قوم کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پر عار دلائے گی" تب عبید اللہ نے بات بدل کر ان سے

---

[1] یاد رہے کہ مسند احمد میں ان کا نام عباس جریری آیا ہے ۔

قال ابو برزة نعم لا مرة ولا ثنتين ولا ثلاثا ولا اربعا ولا خمسة فمن كذب به فلا سقاه الله منه ثم خرج مغضبا۔

(كتاب السنة باب فى الحوض)

کہا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے لیے زینت ہے باعث عیب نہیں"، پھر کہنے لگا میں نے آپ کی طرف اس لیے بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے میں سوال کروں کہ کیا آپ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں۔ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، چار دفعہ نہیں، پانچ دفعہ نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے۔ اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" میں فرماتے ہیں کہ:-

"عبید اللہ بن زیاد فساق میں سے تھا، اس لیے اس نے بطور تمسخر آپ کو "دحداح" یعنی ٹھگنا موٹا" کہا تھا، مگر آپ نے اپنے بارے میں تو اس کے اس طنز پر التفات نہ فرمایا"

البتہ اس نے "محمدی" کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا، اس پر آپ کو غصہ آگیا کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کی اہانت نکلتی ہے"

(ج - ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی)

یہ تھا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرام کے ساتھ اور عترت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم و ستم ڈھایا وہ معلوم خاص و عام ہے۔

ابن زیاد بدنہاد تھا

ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے دوسرے کو اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین نے اس کے اس فعل پر نکیر بھی کی[1] ان میں خود زیاد کے ماں شریک بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے۔

لما ادعی زیاد لقیت ابا بکرۃ فقلت له ما هذا الذی صنعتم؟ انی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول سمع اذنای من رسول الله صلی الله علیه وهو یقول من ادعی أبا فی الاسلام غیر ابیه یعلم

جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا گیا (کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہے) تو میں (اس کے ماں جائے بھائی) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر ملا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا (مطلب ان کے خاندان والوں سے تھا) میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے

---

[1] ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶

انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔ فقال ابوبکرۃ وانا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان باب بیان حال من رغب عن ابیہ وھو یعلم)

وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کو باپ بتلائے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے" یہ سن کر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ خود میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم کا انفاذ کرنے کیلئے کیسے کیسے بدسرشت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، یزید کو تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان کے ترغیب دلانے کے باوجود "قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہو سکا اس لیے اس نے اس کام کو سرانجام دینے کے لیے اس شقی ازلی ابن زیاد بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات ناشائستہ کے سبب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس کو "لعین" کہا ہے (ملاحظہ ہو ج ۷ ص ۶۵۶ طبع استنبول)

یزید کی مدینہ منورہ پر فوج کشی

پھر یزید نے ۶۳ھ ہجری میں حرم نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت کو جس طرح خاک میں ملایا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک الگ خوں چکاں باب ہے، جس میں مدینہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں!

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں لکھتے ہیں!

و واقعہ حرہ از اشنع شنائع است
کہ در زمان یزید واقع شدہ-
وقد ذکرناہ فی "تاریخ المدینہ"
(ج ۱، ص ۲۰۶ طبع نول کشور
لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے بہت ہی برے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے تاریخ مدینہ میں بیان کیا ہے-

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب جو سنگستانی علاقہ ہے، جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے، اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے- واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آکر رہ پڑا تھا، اسی مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے-

واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی!

صحیح بخاری میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ!

أشرف النبی صلی اللہ علیہ
وسلم علی أطم من آطام

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک بار مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں

المدينة، فقال هل ترون ما أرى؟ إني لأرى مواقع الفتن خلال بيوتكم كمواقع القطر۔

(باب آطام المدینة)

ان پر تشریف لے گئے اور ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ نے فرمایا کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے مقامات نظر آیا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہونا ہے۔ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ جو حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وقد ظهر مصداق ذلك من قتل عثمان وهلم جرا ولا سيما يوم الحرة۔

(فتح الباری۔ باب مذکور)

چنانچہ اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر سلسلہ چلتا ہی رہا اور بالخصوص حرہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق ہے۔

اس حدیث میں جو "رویت" کا ذکر ہے اس سے رویت علمی بھی مراد ہو سکتی ہے، یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور رویت عینی بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں "فتنہ حرہ"

سے کیسی تباہی مچی۔ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا یہ بیان پڑھیے جو صحیح بخاری ہی میں منقول ہے۔

وقعت الفتنة الاولى يعني مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر أحدًا ثم وقعت الفتنة الثانية يعني الحرة فلم تبق من أصحاب الحديبية أحدًا (ج ۲۔ ۵۷۳)

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تو اُنہے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی نہ رکھا۔ سب آخر ختم ہو گئے۔ پھر دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب واقع ہوئی تو اس نے اصحاب بیعت الرضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حرّہ کے مظالم کی تفصیل۔

اور امام دارمی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا مروان بن محمد عن سعيد بن عبد العزيز قال لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب من المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمهمة

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت البتہ حضرت سعید بن المسیب نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا، وہ وہیں چھپے رہے، اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے

یسمعها من قبر النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
(باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد
موتہ)

تھے۔

جنگ حرہ کا سبب یہ تھا کہ جب انصارِ مدینہ نے یزید کی مے خواری وبدکرداری کے سبب اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا ان دنوں فوج کے لیے کھلی چھٹی ہو جو چاہیں وہاں کرتے پھریں اس مدت میں کسی کی جان ومال کو امان نہیں چنانچہ جیسا کہ امام طبری نے بسند نقل کیا ہے

فقتل جماعۃ صبرا منہم
معقل بن سنان ومحمد
بن ابی الجہم بن حذیفہ
ویزید بن عبد اللہ بن زمعۃ
وبایع الباقین علی
انہم خول لیزید۔

اس مسلم نے ایک جماعت کو زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دیا جس میں حضرت معقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبد اللہ بن زمعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں

اور حافظ ابو بکر ابن ابی خیثمہ بسند صحیح جویریہ بن اسماء سے ناقل ہیں۔

وقتل من قتل وبایع
مسلم الناس علی

اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے

انهم خول ليزيد يحكم	اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے
في دمائهم واموالهم و	غلام ہیں ان کی جان و مال بیوی بچوں
أهليهم بما شاء۔	کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد ابن سعید بن رمانہ اس بیعت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

فلما كان من خلافهم	پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو
عليه ما كان فوجه	مخالفت ظاہر ہونی تھی ظاہر ہوئی
فاباحها ثلاثا ثم	تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا
دعاهم الى بيعة يزيد	اس نے آ کر تین دن تک مدینہ
وانهم أعبد له قن	کو حلال کر دیا کہ فوج کے لیے
في طاعة الله ومعصيته	اہالیان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم و ستم
	کی کھلی چھٹی تھی؛ پھر لوگوں کو یزید کی
	بیعت کے لیے اس شرط پر دعوت
	دی کہ وہ یزید کے زر خرید غلام ہیں
	اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت
	دونوں صورتوں میں اس کا حکم
	بجا لانا ضروری ہے۔

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زبیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ

فوجه يزيد مسلم بن	پس یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامی
عقبة في جيش اهل	فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس
الشام وامره ان يبدأ	کو یہ حکم دیا کہ پہلے اہل مدینہ سے

بقتال اهل المدينة ثم يسير الى ابن الزبير بمكة. قال فدخل مسلم بن عقبة المدينة وبها بقايا من الصحابة فاسرف في القتل ثم سار الى مكة فمات في بعض الطريق۔ [1]

قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لیے مکہ معظمہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی جماعت موجود تھی اس مردود نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا، اور پھر مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو پیک اجل نے آلیا۔

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے "مسرف" یا "مجرم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں "حرہ واقم" کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام کے ہاتھوں

> "موالی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور بعض سترہ سو بتلاتے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تہ تیغ کر دیے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں کے اموال لوٹے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا"

اور مخدرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم بھی شرماتا ہے۔

---

[1] ان سب حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۰، ۶۱۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری

پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جاکر حرم الٰہی کا محاصرہ کر لیا۔ مجرم خبیث تو راستہ ہی میں مر گیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی چنانچہ اسی کی زیر کمان منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی۔ مجرم نے ذی الحجہ سنہ ۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہو کر اس کو تباہ و تاراج کیا تھا۔ حصین بن نمیر نے صفر سنہ ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنبہ کے وہ دونوں سینگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آ رہے تھے یہ اسی دنبہ کے سینگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا[2] اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید مہلت نہ ملی اور وہ بھی اسی واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاول کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد

امام بخاری نے "الجامع الصحیح" میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں باب: اثم من کاد اھل المدینۃ: یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان "

اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[1] یعقوب بن سفیان فسوی نے واقعہ حرہ کی تاریخ ذی قعدہ سنہ ۶۳ ہجری بیان کی ہے (فتح الباری) [2] تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، تذکرہ یزید بن معاویہ۔

لایکید اهل المدینة	جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ چلائے
احد الا انماع کما	گا وہ اسی طرح گھل جائے گا جس
ینماع الملح فی الماء	طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص و ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں :

من اراد اهل المدینة	جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا
بسوء اذابه الله کما	ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اس
یذوب الملح فی الماء	طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح
(باب تحریم ارادة اهل المدینه بسوء وان	نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے۔
من ارادهم به اذابه الله)	

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

کما انقضی شان من	جس طرح کہ ان لوگوں کی شان و
حاربها ایام بنی امیه	شوکت ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے
مثل مسلم بن عقبة	بنو امیہ کے عہد حکومت میں اہل
فانه هلك فی منصرفه	مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن
عنها ثم هلك یزید	عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلٹتے ہی
بن معاویه مرسله علی	ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس
اثر ذالك ۔	مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن
(شرح صحیح مسلم از امام نووی	معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت
ج ۱ - ص ۴۴۱)	کے منہ میں چلا گیا۔

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من أخاف أهل المدينة
ظالما لهم أخافه
الله وكانت عليه
لعنة الله

جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا
کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف
کو مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ
تعالیٰ کی لعنت ہوگی

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے [1]

خود فیصلہ کیجیے

ہم نے یزید پلید اور اس کے عمال بد اعمال کے اعمال بد کے سلسلہ میں "صحیح بخاری" کی احادیث میں جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اب ان احادیث کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے یا اس کے اعمال بد پر نظر بن کرنا، واقعی اگر وہ "غزوہ قسطنطنیہ" میں شہید ہو جاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس کے ہاتھوں حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ سوچیے اور خوب سوچیے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کا ہوا، پھر ہوا تو وہ لعنت کا مستحق ٹھہرے گا یا جنت کا حقدار!

---

[1] ان دونوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۴ ص ۹۱

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا

اسی لیے امام جلال الدین سیوطی جیسے محتاط بزرگ کے قلم سے "تاریخ الخلفاء" میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:

لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً

(ص ۲۰۷)

اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی۔

اور عالم ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں۔

والحق أن رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واہانتہ اہل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہا آحاداً فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ انصارہ واعوانہ۔

(ص ۱۲۷ طبع مصر)

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا، ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں، اس لیے ہمیں تو اس کے بارے میں کیا، اس کے ایمان کے بارے میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس سلسلے میں اس کے اعوان و انصار پر بھی۔

ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح رافضی اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اسی طرح یہ ناصبی بھی اپنے خلفاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روزِ قیامت حساب و کتاب سے بری ہیں اور ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے "دول الاسلام" میں اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب یہ متولی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر چلنا چاہیے اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیھم ولا عذاب [1]	خلفاء کا نہ حساب ہوگا نہ ان پر عذاب ہوگا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:

وطائفة من الجھال الشامیین یعتقدون ذالک [2]	شام کے جاہلوں کی ایک جماعت کا یہی اعتقاد ہے

یزید بن عبدالملک کے بڑے بھائی ولید بن عبدالملک کا بھی یہی عقیدہ تھا چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن ابی زرعہ سے روایت کیا ہے کہ ولید نے ان سے دریافت کیا

أیحاسب الخلیفة ؟	کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن

---

[1] حافظ سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے (ص ۲۴۲)

[2] ج۔۲ ص ۵۵

حساب لیا جائے گا۔

ابراہیم نے جواب دیا امیر المومنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں یا حضرت داؤد (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ نے کو نبوت و خلافت دونوں عطا فرمانے کے بعد یہ وعید سنائی ہے کہ

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ
فی الارض فاحکم بین
الناس بالحق ولا تتبع
الھوی فیضلک عن
سبیل اللہ ان الذین
یضلون عن سبیل اللہ
لھم عذاب شدید بما
نسوا یوم الحساب ۔
(پ ۲۳ سورۂ ص)

اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں خلیفہ
کیا ہے سو لوگوں میں انصاف سے
حکومت کیا کرنا اور جی کی خواہش
پر نہ چلنا کہ وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے
ہٹا دے گی جو لوگ اللہ کی راہ سے
بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت
عذاب ہے۔ اس بنا پر کہ انہوں نے
حساب کے دن کو بھلا دیا۔

اور خود یزید بھی جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصریح سابق میں گزر چکی ہے مرجیہ کا عقیدہ رکھتا تھا اس لیے اس کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔

موجودہ ناصبی جو روافض کی تقلید میں اپنے منہ پر تقیہ کی نقاب ڈال کر اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں چونکہ اپنے بزرگوں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں کر سکتے، اس لیے وہ طرح طرح کی ابلہ فریبیوں کے ذریعے اپنے مزعومہ امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جنتی ہونے کی خود بھی شہادت دیتے ہیں اور دوسروں سے بھی شہادت دلوانا چاہتے ہیں لیکن

جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہے ان کے فریب میں آکر جس طرح حضرات عشرہ مبشرہ اور سادات فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا ہے یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے، سچ پوچھیے تو اس بارے میں ناصبی رافضیوں سے بھی دو گھوڑے آگے نکلے کیونکہ یہ تو یزید جیسے فاسق زناباز اور سفاک و ظالم کو اپنا امام اور خلیفہ برحق مانتے اور اس کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور رافضی جن بارہ حضرات کو امام معصوم کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار اور اخیار امت ہیں، اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے ائمہ کے بارے میں صحیح ہے اور نہ ناصبیوں کا۔ دونوں صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں، نہ ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے اگر یزید کافر یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور و بد دیانتی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی، وہ نہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہو، پھر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو اس کا شکر گذار ہونا چاہیے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے کیونکہ ظالم سے ٹکر لینا آسان کام نہیں اس میں سخت خونریزی ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور یزید ظلم و تشدد بڑھ جائے چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ "شرح سیر کبیر" میں فرماتے ہیں۔

وعن جماعة من الصحابة	اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک
رضي الله عنهم قالوا: اذا	جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے
عدل السلطان فعلى	فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعیت
الرعية الشكر وللسلطان	کو شکر کرنا چاہیے اور سلطان کو اس
الأجر واذا جار فعلى	کا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ ظلم کرے
الرعية الصبر وعلى	تو رعایا صبر کرے اور سلطان پر اس

سلطان الوزر۔

(ج ۲ ص ۱۰۸ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد
دکن)

کا گناہ ہوگا۔

صحابہ یزید کے درباری نہ تھے

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یزید کے درباری تو تھے نہیں، اور نہ ان کو یزید کے ساتھ خلوت و جلوت میں رہنے کا موقع ملا تھا جو یزید کے کرتوت ان کو معلوم ہوتے چنانچہ علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ہی ”شرح سیر کبیر“ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

وقد روی انه لما ولی یزید بن معاویة قال ابن عمر ان یکن خیرًا شکرنا وان یکن بلاءً صبرنا۔ ثم قرأ قوله تعالیٰ: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ۔

(ج ۱ ص ۱۰۱)

اور یہ بھی مروی ہے کہ جب یزید بن معاویہ حکمران ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ”اگر یہ بھلا ہوا تو ہم شکر کریں گے، اور اگر بلاء ہوا تو ہم صبر سے کام لیں گے“ پھر آپ نے یہ ارشاد باری نقل فرمایا (پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمے ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا)

کفر و فسق کی سرپرستی تو جب ہوتی کہ جب یہ صحابہؓ یزید کے ساتھ اس کی بری حرکات میں شریک ہوتے ”خلیفۂ وقت“ کا حکم تو یہ ہے کہ اگر وہ کسی طاعت کا حکم دے تو اس کی اطاعت کی جائے اور معصیت کا حکم دے تو اس کا

ساتھ نہ دیا جائے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو ہدایت فرمائی تھی وہ "جامع ترمذی" اور "سنن نسائی" میں بایں الفاظ ہے

وعن كعب بن عجرة قال قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم اعيذك بالله من امارة السفهاء قال وما ذاك يا رسول الله قال امراء سيكونون من بعدي من دخل عليهم فصدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فليسوا مني ولست منهم ولن يردوا على الحوض ومن لم يدخل عليهم ولم يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فاولئك مني وانا منهم واولئك يردون على الحوض رواه الترمذي والنسائي۔

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ثانی ص ۳۲۲)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں امارتِ سفہاء سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ امارتِ سفہاء کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کچھ امراء میرے بعد عنقریب ہوں گے، جس نے ان کے دربار میں جا کر ان کے جھوٹ کو سچ بتایا اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی نہ ان کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق ان سے، اور نہ وہ کبھی حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ اور جو ان کے دربار میں داخل نہ ہوا اور نہ ان کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور نہ ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی، سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان

ان کاہوں اور یہی لوگ ہیں جو حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی سنہ ۵۰ھ کے بعد ہو گیا تھا اور سنن ابی داؤد میں

عن ابی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الجهاد واجب علیکم مع کل امیر برًا کان او فاجرًا وان عمل الکبائر والصلوٰة واجبة علیکم خلف کل مسلم برًا کان او فاجرًا وان عمل الکبائر، والصلوٰة واجبة علی کل مسلم برًا کان او فاجرًا وان عمل الکبائر۔ رواه ابوداود (مشکوٰة ج ۱۔ ص ۱۰۰۔ باب الامامة فصل ثانی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ مرتکب کبائر ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم پر ہر مسلمان امیر کے پیچھے پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور کبائر ہی کا مرتکب کیوں نہ ہو جب بھی، اور ہر مسلمان پر نماز کا پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ کبائر میں مبتلا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ شبہ رافضیوں کے شبہ کی طرح ہے

یہ بالکل اسی طرح کا شبہ ہے جیسے کہ رافض کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے اس

لیے کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد نبوی میں اس شخص کے پیچھے کہ جو ان باغیوں کا سرغنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت کا امام بن گیا تھا" بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے حالاں کہ اس کے پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بموجب تھا جو صحیح بخاری میں

وعن عبيد الله بن عدي بن الخيار انه دخل على عثمان وهو محصور فقال انك امام عامة ونزل بك ما نرى ويصلي لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوة احسن ما يعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساؤا فاجتنب اسائتهم۔ رواه البخاري۔ (مشكوة باب تعجيل الصلوة۔ فصل ثالث ص ۶۲)

عبید اللہ بن عدی بن الخیار سے (جن کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرابت بھی تھی) مروی ہے کہ انہوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے ان کی خدمت میں جا کر عرض کیا آپ عامۃ المسلمین کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ اب فتنہ پردازوں کا امام ہماری امامت کر رہا ہے جس سے ہم دل تنگ ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا "نماز ان تمام اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے ہیں لہذا جب لوگ نیکی کا کام کریں تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں شریک ہو جاؤ اور جب برائی کے

مرتکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے رہو۔

کیا یزید کے ظلم و ستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے؟

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا "حادثہ کربلا" "واقعہ حرہ" اور "محاصرہ حرم مکہ" ان تینوں معرکے ظلم و ستم میں کوئی صحابی یا کوئی قابل ذکر تابعی شریک ہوا ہے؟ یا اس کی بزم مے میں کبھی کسی ایسے مالس نے شرکت کی ہے؟ جو یزید کی فسق نوازی اور فجور و بددینی کی سرپرستی کا ان پر الزام عائد کیا جائے۔ باقی رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ

انا قد بایعنا ھذا الرجل علیٰ بیع اللہ و رسولہ[1]۔ — ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے عہد پر بیعت کی ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہم نے اس سے بیعت کی ہے لہٰذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جادۂ شریعت سے باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ

ان یکن خیرًا شکرنا و ان — اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور

---

[1] چنانچہ علامہ احمد قسطلانی نے "ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری" میں اس کے یہی معنی لکھے ہیں، فرماتے ہیں (علیٰ بیع اللہ و رسولہ) ای علیٰ شرط ما امر اللہ به من بیعۃ الامام۔ یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے امام کی بیعت کا حکم دیا ہے اس کے مطابق۔

یکن بلاء صبرنا۔	بلا ہوا تو صبر کریں گے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب و سنت پر بیعت کرنے کی پیشکش تو بعض حضرات نے جنگ حرہ کے موقع پر بھی کی تھی، پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن عقبہ نے اس پیشکش کی جس طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم پر نکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے، چنانچہ پہلے شبہ کے جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے دورِ پرفتن کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسرِ منبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو اشدق کو حرم الٰہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت معقل بن یسار مزنی نے کس حکمت سے عبید اللہ بن زیاد کو فہمائش کی اور حضرت عبد اللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کو سرزنش کی اور حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پڑھیے صحیح بخاری میں ہے۔

سمعت عبد [illegible] بن نعم	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
وسألہ رجل عن المحرم	کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام
قال شعبة أحسبه يقتل	کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار
الذباب فقال أهل	ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ

العراق یسألون عن
قتل الذباب وقد قتلوا
ابن بنت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وقال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ھما
ریحانتای من الدنیا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن
والحسین)

ہے آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے
قتل کرنے کے متعلق دریافت کر رہے
ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل
کر ڈالا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تھا کہ "حسن و حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبید اللہ ابن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابو سفیان کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے عمرو بن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لیے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا۔ ابن زیاد بدنہاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی تھی اس پر حضرت انس و حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جس طرح اس پر اظہار ناراضگی کیا تھا وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ سے جو روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

عن محمد و عبدالرحمٰن
ابنی جابر ابن عبد اللہ قالا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے دونوں بیٹوں محمد و عبدالرحمن

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "شہدائے کربلا پر افتراء"

خرجنا مع ابينا يوم الحرة وقد كف بصره فقال تعس من اُخاف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يا اُبت وهل احدٌ يخيف رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من اُخاف اهل هذا الحي من الانصار فقد اُخاف ما بين هذين ووضع يده على جنبيه (البداية والنهاية

(ج۔ ۸ ص ۲۲۳)

کا بیان ہے کہ حرہ کے دن ہم اپنے ابا کے ساتھ باہر نکلے اس وقت آپ کی بینائی زائل ہو چکی تھی آپ نے فرمایا: "برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوف میں مبتلا کیا"۔ ہم نے عرض کیا ابا جان! کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ڈرا سکتا ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس نے اس قبیلۂ انصار کو ڈرایا اس نے میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز ہے (یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا ہے" اور جس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد ہو رہا تھا آپ اپنے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا مستفتی نے نام لیا ہے یزیدی لشکر نے حرہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کے ٹکڑوں کو قتل کرنے سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعی نہیں کی۔

تھی، اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی[1]۔

غرض یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ ابن الزبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم و ستم پر روکتے ٹوکتے، جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت ابو شریح خزاعی (۶) حضرت معقل بن یسار مزنی (۷) حضرت انس بن مالک (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت عبداللہ بن مغفل (۱۰) حضرت عائذ بن عمرو (۱۱) حضرت ابو برزہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کوئی صحابی ہمیں یزید کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہد نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمان جہان گشتہ لئیمان مہتر

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ - ج - ۸ - ص ۱۴۸

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے، یہ ہے کہ "حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی"۔

"منتقیٰ" کا غلط حوالہ

مستفتی نے اس سلسلہ میں "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ "منتقیٰ ص ۲۸۱" سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے "منتقیٰ" حافظ ذہبی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی ہے اور "البدایہ والنہایہ" ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی۔ اور ان کا سنہ وفات ۷۷۴ھ ہے پھر لطف یہ ہے کہ "منتقیٰ" میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدين كما قاله بعض الجهلة من الاكراد۔	ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔
(ص ۔ ۲۷۹)	
ونحن نقول خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم صارت ملكا كما ورد في الحديث	اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ خلافت نبوت تیس سال تک رہی پھر بادشاہی ہوگئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے
يزيد كان ملك وقته وصاحب السيف كامثاله من	یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب

المروانیہ والعباسیہ۔

شمشیر او علم، بادشاہ تھا

(ص ۲۸۱)

یاد رہے حافظ ذہبی، یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے۔ اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں، اس پر عائد کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع بموقع آرہی ہیں۔

ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں جس کا خلاصہ یہی منتقی ہے صاف لکھا ہے کہ:

وکذالک کونه عادلا فی کل اموره مطیعا لله فی جمیع افعاله لیس هذا اعتقاد احد من ائمة المسلمین - وکذالک وجوب طاعته فی کل ما یامر به وان کان معصیة لله لیس هو اعتقاد احد من ائمة المسلمین - (منهاج السنة - ج - ۲ - ص ۲۳۰)

اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات میں عادل ہونا، اور اپنے تمام افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بات کہ یزید کی اطاعت اس کے ہر حکم میں واجب تھی خواہ وہ معصیت الٰہی کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں!

ہاں منتقیٰ کے محشی محب الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناصبی ہے) اس افسانہ کو البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی تردید محدث حرم محمد عربی تبانی نے افادۃ الاخیار ببراءۃ الابرار میں بڑی تفصیل سے کی ہے ۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے ۔ مثلاً:

(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

كان يزيد في حداثته صاحب شراب ياخذ ماخذ الاحداث الخ

(ج - ۸ ص ۲۸۸)

یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوجوانوں کی سی آزادی تھی ۔

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوٰت في بعض الاوقات واماتتها في غالب الاوقات وقد قال الامام احمد حدثنا ابو عبد الرحمن ثنا حيوة حدثني بشير بن عمرو الخولاني أن الوليد بن قيس

اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا ۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف

حدثه انه سمع ابا سعيد الخدري يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يكون خلف من بعد ستين سنة أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا - (الحديث)

ہوں گے جو نمازیں چھوڑ دیں گے، اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے اور عنقریب غیّ میں (جو کہ جہنم کی بدترین وادی ہے) داخل ہوں گے۔

(ج ۸ - ص ۲۳۰)

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے (ص ۲۳۲ پر) یہ لکھتے ہیں:

قلت: يزيد بن معاوية اكثر ما نقم عليه في عمله شرب الخمر واتيان بعض الفواحش۔

میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر اس کی بدکرداری کے سلسلے میں سب سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا وہ مے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب کا ہے۔

یاد رہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برأت نہیں کی ہے اب ظاہر ہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں کرتے اور جا بجا اس کے خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو ابن الحنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ برأت یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے) دونوں صحابی ہیں اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے تو یزید پر جھوٹی تہمت جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی نکلی یہ بات مستفتی کا ذہن تو قبول کر سکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں

پھر یہ بھی واضح ہے کہ اس افسانے کا ذکر صرف تاریخ ابن کثیر میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جا سکے اس افسانہ کو نہ امام ابن جریر طبری نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزری نے اور نہ کسی اور معتبر مورخ نے۔ لہٰذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسند صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر شبہ ظاہر کیا جائے اور بالفرض اس افسانہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل و ستائش "تابعین کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

فنِ رجال کا متفقہ فیصلہ یزید اس کا اہل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے!

یاد رہے تاریخ و فنِ رجال کی تمام کتابوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح و مقدوح ہے اور وہ اس کا اہل

نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویۃ بن ابی	یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
سفیان الاموی ابو خالد	ابو خالد ٦٠ سنہ ہجری میں متولی خلافت
ولی الخلافۃ سنۃ ستین	ہوا۔ اور ٦٤ سنہ ہجری میں مر گیا،
ومات سنۃ اربع وستین	پورے چالیس سال کا بھی نہ ہو سکا
ولم یکمل الاربعین،	یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی
لیس باھل اَن یروی عنہ	حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی بھی صحابی و تابعی سے یزید کی ثنا و صفت منقول ہوتی اور وہ محدثین و ائمہ رجال کے نزدیک عادل ہوتا تو فنِ رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

یہ چوتھا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت واطاعت کا حکم دیا"

اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا فسق تواتر سے ثابت ہے اس لیے اس کے صالح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ ناقابل قبول ہوگی، علامہ ابوالفرج اصفہانی نے "الاغانی" میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	ان ابن عباس أتاه نعي
کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ	معاوية وولاية يزيد وهو
عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے	يعشي أصحابه ويأكل
کی اطلاع پہنچی ہے تو وہ اپنے اصحاب	معهم وقد رفع الى فيه
کو شام کا کھانا کھلا رہے تھے اور خود	لقمة فألقاها وأطرق
بھی ان کے ساتھ کھا رہے تھے۔	هنيهة ثم قال جبل
اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ	تدكدك ثم مال بجميعه
ڈالنے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ	في البحر واشتملت عليه
رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکائے	الابحر لله در ابن هند
رہے پھر	ما كان اجمل وجهه

واکرم خلقه واعظم حلمه
فقطع عليه الكلام رجل
وقال اتقول هذا فيه
فقال ويحك انك
لا تدري من مضى
عنك ومن بقي عليك
وستعلم ثم قطع الكلام
(ج ۱۰ ص ۳۷ طبع دار الفکر
بیروت)

[1] فرمانے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ ریزہ ہو کر سارے کا سارا سمندر میں چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس کا چہرہ کتنا پیارا، اس کا اخلاق کتنا عمدہ اور اس کا حلم کتنا زیادہ تھا اس پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے میں ایسا کہتے ہیں، فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے چھوڑ کر کون چلا گیا اور تجھ پر مسلط ہونے کے لیے کون باقی رہ گیا سو اب تجھے معلوم ہو جائیگا تا آنکہ آپ نے گفتگو ختم کر دی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کے لیے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک "الامامۃ والسیاسۃ" کا، دوسرے "بلاذری" کا۔

الامامۃ والسیاسۃ قابلِ استناد نہیں

الامامۃ والسیاسۃ

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس موقع پر جو رائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک پھر اموی حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہو سکا اور اسلامی دنیا اس عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔

قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے۔ مشہور ادیب ابنِ قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں

رہا بلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوئی ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود مورخ بلاذری کی "انساب الاشراف" میں یزید کا تذکرہ اس کے فسق و فجور کے ذکر سے پر ہے تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے سنہ ۱۹۴۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کی اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے ملحدین نے مسلمانوں میں انتشارِ فکر پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔

بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباس کی آخری رائے کا اعتبار ہو گا

اور بالفرض تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فسق ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا اس لیے ممکن ہے بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے معاً بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فسق عالم آشکارا ہوا

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت نے اس کے ظلم وعدوان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا۔ اصل اعتبار اس کا ہو گا۔

یزید اور حضرت ابن عباس کی خط وکتابت

چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط وکتابت جو کتب تواریخ میں درج ہے وہ دیکھ لی جائے اس سے سب حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تھی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام

۔ اما بعد، فقد بلغنی ان الملحد ابن	اما بعد: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد
الزبیر دعاک الی بیعتہ وانک	ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت
اعتصمت ببیعتنا وفاء	کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری
منک لنا فجزاک اللہ من	میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں

ذی رحم خیر ما یجزی المواصلین لارحامهم الموفین بعهودهم فما أنسی من الأشیاء فلست بناس برّك وتعجیل صلتك بالذی أنت له اهل فانظر من طلع علیك من الآفاق ممن سحرهم ابن الزبیر بلسانه فاعلمهم بحاله فانهم منك اسمع الناس ولك اطوع منهم للمحل

(الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰)

اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جو ان حضرات کو عطا کرتا ہے کہ جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں سو اب میں کچھ بھی بھول جاؤں پر آپ کے اس احسان کو نہیں بھولوں گا اور آپ کی خدمت میں فوراً ایسے صلے کی روانگی جو آپ کے شایان شان ہو اب آپ ذرا اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی آدمی آپ کی خدمت میں آئے اور ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے اسے متاثر کر لیا ہو تو آپ ابن زبیر کے حال سے اسے آگاہ فرما دیں کیونکہ حرم کعبہ کی حرمت کے ختم کرنے والے[1] کی نسبت لوگ آپ کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں

---

[1] ابن زبیر مراد ہیں کہ یزید کی بیعت نہ کرنے کے سبب یزید خاک بدہن گستاخ ان کو ملحد اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے والا کہتا تھا

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام

یزید کے اس خط کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے!

اما بعد: فقد جاءنی کتابک، فأما ترکی بیعته ابن الزبیر فواللہ ما أرجو بذاک برک ولا حمدک ولکن اللہ بالذی أنوی علیم وزعمت انک لست بناس بری فاحبس ایها الانسان برک عنی فانی حابس عنک بری وسألت ان احبب الناس الیک وابغضهم واخذلهم لابن الزبیر فلا ولا سرور ولا کرامة کیف وقد قتلت حسینا وفتیان عبد المطلب مصابیح الهدی

اما بعد: تمہارا خط مجھے ملا میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری ثنا و صفت کا خواہاں نہیں، بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اے انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے پاس اٹھا رکھو کیونکہ میں اپنے حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور تم نے جو مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کر دوں اور ابن زبیر سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کر دوں سو ایسا بالکل نہیں ہو سکتا، تمہی

ونجوم الأعلام غادرتهم خیولك بأمرك في صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین بالعراء مقتولین بالظماء لا مكفنین ولا موسدین[1] تسفي علیهم الریاح وتنتابهم عوج الضباع حتی أتاح الله بقوم لم یشركوا في دمائهم كفنوهم واجنوهم وبي بهم تعززت وجلست مجلسك الذی جلست فما أنسی من الأشیاء فلست بناسي اطرادك حسینا من حرم رسول الله صلی الله

خوشی ہمیں منظور ہے، اور نہ تمہارا اعزاز، اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے حالاں کہ تم نے حسین کو اور ان جوانانِ عبد المطلب کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے، تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا، پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجو باری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے تاآنکہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین

---

[1] یاد رہے الکامل لابن الاثیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں "موسدین" کی بجائے "مسودین" اور "تنتابہم" کی جگہ "ینتابہم" اور "عوج الضباع" کی بجائے "عرج الضباع" غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح "مجمع الزوائد" سے کر دی ہے۔

عليه وسلم الى حرم الله وتيسيرك الخيول اليه فما زلت بذالك حتى اشخصته الى العراق فخرج خائفاً يترقب فنزلت به خيلك عداوة منك لله ورسوله ولاهل بيته الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا فطلب اليكم الموادعة وسألكم الرجعة فاغتنمتم قلة انصاره واستيصال اهل بيته وتعاونتم عليه كانكم قتلتم اهل بيت من الشرك والكفر فلا شئ اعجب عندى من طلبتك ودّى وقد قتلت ولد ابى

نہ تھے ان لوگوں نے آکر ان کو کفن دیا اور دفن کیا، حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا تا آنکہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جا لیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک و صاف کر دیا تھا۔ حسین نے تمہارے سامنے

وسیفك یقطر من دمی وانت احد ثاری ولا یعجبك ان ظفرت بنا الیوم فلنظفرن بك یومًا۔ والسلام

(کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰/۵)

صلح کی بھی پیشکش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جا سکتا ہے موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔ بس اب میرے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا لی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے[۱]۔ والسلام۔

---

[۱] تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشگوئی پوری ہو کر رہی اور عباسیوں ہی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العربی نے "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل ؒ نے "کتاب الزہد" میں یزید کا ذکر زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔"

اس کا جواب

ابن العربی کی رائے غزالی کے بارے میں

یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العربی، امام غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔

حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں سنہ ۵۴۵ ہجری کے وفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وممن توفی فیها من الاعیان ...... الفقیه ابوبکر بن العربی المالکی شارح الترمذی کان فقیها عالما وزاهدا عابدا وسمع الحدیث بعد

اور اس سنہ میں جن بڑے لوگوں کا انتقال ہوا۔ ان میں فقیہ ابوبکر بن العربی مالکی شارح ترمذی بھی ہیں یہ فقیہ و عالم اور زاہد و عابد تھے انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی

اشتغاله في الفقه وصحب الغزالي واخذ عنه وكان يتهمه براي الفلاسفة ويقول دخل في اجوافهم فلم يخرج منها

کی صحبت میں رہے ان سے علم بھی حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے سے بھی متہم کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ فلسفہ ان لوگوں کے پیٹوں میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

(ج ۲- ص ۲۲۸، ۲۲۹)

ابن العربی کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا

بجا ہے بقول شاگرد، استاد تو فلسفہ کے چکر سے ساری عمر نہ نکل سکے۔ مگر خود بدولت کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ یزید جیسا فسق تو آپ کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور ریحانۃ الرسول، سید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب نے جھٹ سے یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ

قتل الحسين بشرع جده[1]

حسین کو ان کے نانا کی شرع کے مطابق قتل کر ڈالا گیا۔

نازم بریں فطانت۔ سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی ناصبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں لکھتے ہیں

غلو الناصبية الذين يزعمون أن الحسين كان خارجيًا وانه كان

ناصبیوں کا غلو ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مقدمہ ابن خلدون" ص ۵۲ طبع مطبع بہیہ مصر۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

یجوز قتلہ[1]

خلاف خروج کیا اور اس لیے ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں

چنانچہ اسی لیے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ "فتاوی عزیزی" میں لکھتے ہیں:-

نواصب فرقہ جدا است، ورائے خوارج در مغرب وشام بسیار بودہ اند، ومتوکل عباسی ووزیر او علی ابن جہم نیز از جملہ نواصب است۔ خوارج جمیع مقاتلین را از صحابہ ہمچو طلحہ وزبیر وامیر المومنین علی المرتضیٰ ومعاویہ وعمرو بن العاص را تکفیر می کنند۔ ونواصب محض عداوت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وذریت طاہرۂ او شعار خود دارند و از متاخرین حافظ مغربی نیز ناصبی است۔

[illegible] مجتبائی دہلی [illegible]

"نواصب" "خوارج" سے جدا فرقہ ہے یہ مغرب اور شام میں بہت تھے۔ خلیفہ المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی بن جہم بھی نواصب میں سے تھے۔ خوارج ان تمام صحابہ کرام کو جن میں باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ حضرت زبیر، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص، رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سب کو کافر بتاتے ہیں اور نواصب نے صرف امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ متاخرین میں

---

[1] البقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: العواصم من القواصم از ابن العربی ص ۲۳۲ طبع قاہرہ ۱۳۷۱ھ

[2] ج ۱ ص ۲۵۶ طبع امیریہ مصر ۱۳۲۱ھ

حافظ مغربی (ابوبکر ابن العربی) بھی ناصبی ہے۔

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگؒ ہیں

اسی ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی جی کو وہم ہوگیا اور انہوں نے کتاب الزہدؒ میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا ممدوح امیر یزید سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں ان کا تذکرہ "تہذیب التہذیب" وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے حافظ جمال الدین مزی کی "تہذیب الکمال" سے ان کا پورا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے، وہ لکھتے ہیں:۔

يزيد بن معاويه النخعي الكوفي ذكر ابوبكر ابن ابي خيثمة انه معدود في العباد هو وعمرو بن عتبة بن فرقد وربيع بن خثيم وهمام بن الحارث ومعضد الشيباني وجندب بن عبد الله وكميل بن زياد النخعي واويس

یزید بن معاویہ نخعی کوفی، ابوبکر بن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ[۱] اور عمرو[۲] بن عتبہ بن فرقد اور ربیع[۳] بن خثیم اور ہمام[۴] بن الحارث اور معضد[۵] شیبانی اور جندب[۶] بن عبداللہ اور کمیل[۷] بن زیاد نخعی اور اویس[۸] قرنی ان سب کا شمار عابدوں میں ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن یزید کوفی نخعی سے منقول ہے کہ ہمارا

القرني، وحكى عن عبد الرحمن بن يزيد النخعي قال خرجنا في جيش نحو فارس فيه علقمة ويزيد بن معاوية فقتل يزيد بن معاوية، له ذكر في الدعاء من صحيح البخاري في "باب الموعظة ساعة بعد ساعة" في حديث شقيق بن سلمة قال: كنا ننتظر عبد الله إذ جاء يزيد بن معاوية فقلنا ألا تجلس الحديث، وذكره في التاريخ وذكره ابن حبان في كتاب الثقات وقال قتل غازيا بفارس [1]۔

کی مہم پر ایک لشکر میں ہم بھی روانہ ہوئے تھے اسی لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہو گئے صحیح بخاری، "کتاب الدعاء" کے "باب الموعظۃ ساعۃ بعد ساعۃ" میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اثناء میں یزید بن معاویہ بھی آ گئے ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟ الخ، امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اب یہ خدا ہی جانے قاضی ابوبکر بن العربی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مغالطہ دینے کے لیے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کی

---

[1] اس کتاب کا عکسی نسخہ "جامعہ علوم اسلامیہ" علامہ بنوری ٹاؤن میں موجود ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے ہیں) اپنے ممدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوفی نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح زہد و عبادت میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا

درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے ناصبی حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین اہلسنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں۔ انہیں صرف اس لیے رافضی بتاتے ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے ان ناصبیوں کی یہ سعی نامحمود صرف اس لیے ہے کہ امام طبری کی "تاریخ" "ناصبیت" کا ساتھ نہیں دیتی[1]

---

[1] ناصبیت کی طرف میلان کے سبب حافظ مغربی ابو بکر بن العربی اگرچہ تمام مورخین اسلام سے نالاں ہیں۔ مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام مورخینِ اسلام میں اگر ان کو کسی مورخ پر اعتماد ہے تو وہ صرف امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت دلسوزی کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے کہ ولا تسمعوا لمورخ کلاما الا للطبری (ص ۲۴۸) طبری کے سوا کسی مورخ کی کوئی بات نہ سنو۔ اب سوچنے کی بات ہے رافضیوں کے بارے میں حافظ ابو بکر بن العربی سے زیادہ کون حساس ہوگا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص "تاریخ" میں اگر رفض کی ترجمانی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

* * *

مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں اس کا انتخاب ہے

واضح رہے کہ حال میں جو کتاب الزہد امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے مطبع ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے، وہ پوری کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے، پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تعجیل المنفعۃ" کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو مسند احمد بن حنبل کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ موجودہ نسخہ جو اصل کتاب کا انتخاب ہے اس میں دونوں "یزیدوں" کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا قاضی جی کی "العواصم" سے اس بارے میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح کہ اس سے کوئی روایت نہ کی جائے

بہرحال حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف اس خرافات کو منسوب کرنا کہ "وہ یزید کو عابد وزاہد مانتے تھے" بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

لا ینبغی ان یروی عنہ

اس سے روایت کرنا نہیں چاہیے

اور حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قیل لہ اتکتب الحدیث عن یزید بن معاویۃ قال لا ولا کرامۃ، اولیس ھو الذی فعل باھل المدینۃ ما فعل۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہ سے حدیث آپ لکھیں گے، فرمایا "نہیں" اور نہ اس میں کچھ عزت ہے، کیا یہ وہی شخص

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۱۲ ج - ۳ - طبع ریاض)

نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے

حافظ ابن حجرؒ نے "تعجیل المنفعۃ" میں امام احمد کی کتاب "الزہد" اور ان کی "مسند" کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے صحاح ستہ میں روایتیں نہیں ہیں اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

ولم یقع له فی المسند روایة وانما له مجرد ذکر

مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

وقد وقع لیزید بن معاویة ذکر فی الصحیح وفی السنن ایضا وظفرت له فی المراسیل لابی داؤد بروایة ذکرت له من اجلها تذکرة فی تهذیب التهذیب۔

یزید بن معاویہ کا "صحیح بخاری" میں بھی ذکر[1] آیا ہے اور سنن میں بھی، مجھے اس کی ایک روایت "مراسیل ابی داؤد" میں ملی ہے جس کی بنا پر میں نے "تہذیب التہذیب" میں اس کا "تذکرہ" لکھا ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ "تہذیب التہذیب" میں یہ بھی تصریح کر دی ہے ولیست له روایة تعتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل اعتماد ہو) واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تعجیل المنفعۃ"، "تہذیب التہذیب" اور "لسان المیزان" ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

---

[1] ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ سلسلہ کلام میں کہیں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان سے یزید کا مکمل ترجمہ

ہم لسان المیزان سے یزید کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ، وعنہ ابنہ خالد وعبد الملک بن مروان، مقدوح فی عدالتہ ولیس باھل ان یروی عنہ، وقال احمد بن حنبل: لا ینبغی ان یروی عنہ انتھی وقد وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد" ونبہت علیھا فی "النکت علی الاطراف" واخبارہ مستوفاۃ فی تاریخ ابن عساکر" وملخصھا انہ ولد فی خلافۃ عثمان وقد ابطل من زعم انہ ولد فی عھد النبوی وکنیتہ ابو خالد ولما مات ابوہ بویع لہ بالخلافۃ سنۃ

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے اس کی عدالت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہ کرنا چاہیے (یہاں ذہبیؒ کی عبارت جو میزان الاعتدال میں ہے تمام ہوئی) مجھے اس کی ایک روایت "مراسیل ابی داؤد" میں ملی، جس پر میں نے "النکت علی الاطراف" میں تنبیہ کر دی ہے۔ یزید کے حالات "تاریخ ابن عساکر" میں بتمام و کمال مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، اور اس نے غلطی کی جس نے یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں

سنتين، وامتنع من بيعته
الحسين بن علي وعبد الله
بن عمر وعبد الله بن الزبير
رضي الله تعالى عنهم وعاذ
بحرم مكة فسمي عائذ
البيت واما ابن عمر رضي الله
عنهما فقال اذا اجتمع
الناس بايعت ثم بايع
واما الحسين رضي الله عنه
فسار الى مكة فوافق بيعته
اهل الكوفة فسار اليهم
بعد ان ارسل ابن عمه
مسلم بن عقيل لاخذ
البيعة فظفر به عبيد الله
بن زياد اميرها فقتله
وجهز الجيش الى
الحسين فقتل في يوم
عاشورا سنة احدى
وستين ثم ان اهل المدينة
خلعوا يزيد في سنة ثلاث
وستين فجهز اليهم

ہوئی تھی اس کی کنیت ابوخالد ہے
سنہ ۶۰ ہجری میں اپنے والد کے انتقال
پر اس سے بیعت خلافت ہوئی حضرت
حسین بن علی، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس
سے بیعت نہ کی۔ اور حضرت ابن زبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو حرم مکہ میں پناہ
گزین ہو گئے اور اس بنا پر ان کو
"عائذ البیت" کہا جانے لگا۔ اور حضرت
ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ
"جب سب لوگ اس کی بیعت پر
مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی بیعت کر
لوں گا" بعد کو آپ نے بھی بیعت کر لی
رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر
اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان
کی طرف روانہ ہو گئے اس سے پہلے
آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل
کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب
کوفہ روانہ کر چکے تھے۔ وہاں امیر کوفہ
عبید اللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا

مسلم بن عقبة المري في
جيش حافل فقاتلهم ،
فهزمهم وقتل منهم
خلق كثير من الصحابة
وابناؤهم وسمق اكابر
التابعين وفضلاؤهم
واستباحها ثلاثة ايام
نهبًا وقتلًا ثم بايع من
بقي على انهم عبيد ليزيد
ومن امتنع قتل ثم توجه
إلى مكة لحرب ابن الزبير
فمات في الطريق وعهد
الى الحصين بن نمير فسار
بالجيش الى مكة فحاصر
ابن الزبير ونصبوا المنجنيق
على الكعبة فوهت اركانها
ثم احترقت وفي اثنا
ذالك ورد الخبر بموت يزيد
ثم مات ابنه معاوية بن
يزيد بعد قليل وصفا الجو لابن
الزبير فدعا الى نفسه

اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اس
نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف فوج بھیجی چنانچہ آپ کو
بروز عاشورا ۶۱ھ کو قتل کر دیا
گیا اس کے بعد اہل مدینہ نے ۶۳ھ
میں یزید کی بیعت توڑ دی تو یزید
نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مسلم
بن عقبہ مری کی سرکردگی میں ایک
بھاری لشکر روانہ کیا جس نے اہل
مدینہ سے جنگ کر کے ان کو ہزیمت
دی، اس جنگ میں صحابہ، اولاد صحابہ
اور اکابر تابعین میں سر برآوردہ حضرات اور فضلاء
کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم
بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف
کو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے
حلال کر دیا، پھر جو زندہ بچ گئے ان
سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید
کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت
سے انکار کیا ہے اس کا سر قلم کر دیا
گیا، اس کے بعد مسلم نے مکہ معظمہ کا
رخ کیا تاکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ

نبايعه اهل الافاق واكثر اهل الشام ثم خرج عليه مروان بن الحكم فكان ما كان، قال ابويعلى في مسنده "حدثنا الحكم بن موسى قال حدثنا الوليد عن الاوزاعى عن مكحول عن ابى عبيدة بن الجراح رضى الله تعالى عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، "لايزال امر امتى قائما بالسوى حتى يكون اول من يثلمه رجل من بنى امية يقال له يزيد" وقال ابوزرعة الدمشقى حدثنا ابونعيم حدثنا شيبان عن ابن المنكدر قال لما جاءت بيعة يزيد قال ابن عمر رضى الله عنهما ان كان خيرا رضينا وان

تعالیٰ عنہ سے جنگ کیلئے گیا مگر راستے ہی میں ہی موت نے آ لیا، مسلم نے حصین بن نمیر کو سالار لشکر کیا تھا، چنانچہ یہ لشکر لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر لیا اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجنیق نصب کر کے اس پر گولہ باری شروع کر دی جس سے کعبہ کی بنیادیں کمزور ہو گئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی اسی اثناء میں یزید کے مرنے کی خبر آئی اور پھر تھوڑی ہی مدت میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مر گیا۔ اب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فضا صاف ہو چکی تھی چنانچہ آپ نے اپنی بیعت کی دعوت دی اور تمام آفاق اور اہل شام کی اکثریت نے آپ سے خلافت پر بیعت کر لی پھر مروان نے آپ کے خلاف خروج کیا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔

امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے

كان بلاءً صبرنا۔	حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث نقل کی، اوزاعی، مکحول سے راوی ہیں اور مکحول حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تا آنکہ بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا نام یزید ہے سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا۔ ابو زرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا ہوا تو ہم اسے پسند کریں گے اور بلا ہوا تو صبر کریں گے
وقال ابن شوذب سمعت ابراهيم بن ابي عبد،	ابن شوذب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ

يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية وقال يحيى ابن عبد الملك بن ابي عتبة حدثنا نوفل بن ابي عقرب كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال امير المومنين يزيد، فقال له عمر تقول امير المومنين؟ وامر به فضربه عشرين سوطًا۔

قال ابوبكر بن عياش: بايع

کہتے تھے میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یزید کے لیے رحم کی دعا کرتے ہوئے سنا۔[1] اور یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے امیر المومنین یزید[2] کے الفاظ نکل گئے اس پر حضرت عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ یزید

---

[1] واضح رہے کہ گنہگار کے حق میں دعا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ آخر نماز جنازہ تو بڑے بڑے گنہگار کی بھی پڑھی ہی جاتی ہے۔

[2] اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہوگا اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی کیونکہ فاسق کی تعظیم اور اس کا احترام ممنوع ہے۔

الناس له فی رجب سنة ستین ومات فی ربیع الاول سنة ثلاث وستین كذا قال، والصواب فی نصف ربیع الاول سنة اربع وكان سنه یوم مات ثمانیا وثلاثین سنة۔ (لسان المیزان ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۶۔ ترجمہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی طبع حیدرآباد دکن (انڈیا) ۱۳۳۱ھ ہجری،

سے لوگوں نے رجب ۶۰ھ ہجری میں بیعت کی اور ربیع الاول ۶۳ھ میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ ہجری کو مرا ہے جس دن اسے موت آئی اس دن اس کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔

امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے

ظاہر ہے کہ اگر یزید کا ذکر امام احمد کی کتاب الزہد میں ہوتا تو حافظ ابن حجر عسقلانی جنہوں نے کتاب الزہد کے تمام رجال پر کام کیا ہے یزید کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے یزید سے روایت کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے اب وہ مستحق لعنت تھا یا نہیں اس کے بارے میں بھی امام ممدوح کی یہ تصریح پڑھ لیجئے حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل قلت لابی ان قوما یقولون: انهم یحبون یزید قال: یا بنی: وهل یحب یزید احد یومن باللہ والیوم

صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا، کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں یہ سن کر آپ نے فرمایا بیٹے کوئی شخص

الآخر؟ فقلت، يا أبت فلماذا لا تلعنه؟ قال يا بُنَيّ! ومتى رأيت اباك يلعن احدًا؟

(مجموع فتاوى ابن تيميه
ج - ۳ - ص - ۴۱۲)

بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر سکتا ہے! میں نے پھر عرض کیا ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا بیٹا تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے!

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اپنے عمل کو بتلا دیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں نقل فرمایا ہے۔ اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرما دی ہے یہ روایت حسب ذیل ہے۔

قال ابن الجوزي انه روى القاضي ابو يعلى في كتابه "المعتمد في الاصول" بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال: قلت لابي يا ابت يزعم بعض الناس انا نحب يزيد بن معاويه فقال احمد: يا بني هل يسوغ لمن يؤمن بالله

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابو یعلیٰ نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول" میں بسند صالح بن احمد بن حنبل رح سے روایت کی جنہوں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت رکھتے ہیں آپ نے فرمایا بیٹا بھلا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو

أن يحب يزيد ولِمَ لا يلعن رجل لعنه الله في كتابه؟ قلت يا ابت! اين لعن الله يزيد في كتابه؟ قال، حيث قال فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ۔

(تفسیر مظہری ج ۸ - ص ۴۲)
طبع دہلی ۱۳۹۶ھ ،

کیا اس کے لیے یہ روا ہو سکتا ہے کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے میں نے عرض کیا ابا جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے فرمایا جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ "پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں، اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں"۔

⁂

واضح رہے کہ علماء حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول پر ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" (ص ۲۲۳ - ج ۸) میں جہاں واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ "ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلا کریں" وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں۔

وقد استدل بهذا الحديث وامثاله من

اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال

ذهب الى الترخيص فی لعنة يزيد بن معاويه وهو روايته عن احمد بن حنبل، اختارها الخلال وابوبكر عبد العزيز والقاضي ابو يعلى وابنه القاضي ابو الحسين وانتصر لذالك ابو الفرج ابن الجوزی فی مصنف مفرد وجوز لعنته ۔

کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت میں یہی وارد ہے اور اسی کو خلال، ابوبکر عبد العزیز، قاضی ابو یعلی اور ان کے صاحبزادے قاضی ابو الحسین نے اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابو الفرج بن الجوزی نے ایک مستقل تصنیف اس بارے میں لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا ہے ۔

اب سوچیے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں اگر اس خلیفہ فاسق یزید بن معاویہ کا ذکر زہاد و عباد میں ہوتا تو اس سے ائمہ حنابلہ امام ابوبکر خلال، ابوبکر عبد العزیز، قاضی ابو یعلی، ان کے فرزند قاضی ابو الحسین، حافظ ابن الجوزی اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوتے یا قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی؟ ۔

قاضی ابوبکر بن العربی کی ہجو

"قاضی ابن العربی کی اس حرکت پر ہمیں بے اختیار وہ اشعار یاد آ گئے جو ان کی شان میں خلف بن خرّادیب نے لکھے ہیں فرماتے ہیں ۔

یا اهل حمص ومن بها اوصیکم   بالبر والتقوی وصیۃ مشفق
اے حمص کے رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں میں تم کو ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا

فخذوا عن العربی اسمار الدجی   وخذوا الروایۃ عن امام متقی
اس ابوبکر ابن العربی سے افسانہائے شب تو سن لو مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی

ان الفتی حلو الکلام مہذب   ان لم یجد خبرا صحیحا یخلق
یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے اسے اگر صحیح حدیث نہ ملے تو اپنی طرف سے گڑھ لیتا ہے

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ اشبیلیہ (واقع اندلس) میں فقہا کی ایک مجلس جمع ہوئی تھی۔ ابوبکر ابن المرجیٰ اور دوسرے حضرات بھی وہاں موجود تھے ابن العربی بھی شریک مجلس تھے، مجلس میں علمی مذاکرہ جاری تھا۔ "حدیث مغفر" کا ذکر چھڑا تو ابن المرجیٰ نے کہا کہ یہ حدیث صرف بروایت مالک عن الزہریؒ معروف ہے اس پر ہمارے قاضی جی ابن العربی فرمانے لگے

قد رویتہ من ثلاثۃ   میں نے امام مالک کے علاوہ تیرہ
عشر طریقا غیر طریق مالک   سندوں سے اس حدیث کو روایت
کیا۔

یہ دعویٰ سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں درخواست کی کہ براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقعہ عنایت فرمایا جائے چنانچہ ابن العربیؒ نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کر لیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کی ہجو میں یہ اشعار نظم کر دیے۔

حافظ ذہبیؒ "تذکرۃ الحفاظ" میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں:

قلت هذه حكاية ساذجة لا تدل على جرح صحيح، ولعل القاضي وهم فسرى فكره الى حديث فظنه هذا والشعراء يخلقون الافك

میں کہتا ہوں یہ ایک سادہ سا واقعہ ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا اور ان کا خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جسکو وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شعراء تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۸۹)

ہمیں بھی حافظ ذہبیؒ سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں جس طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے ایسے ہی ناصبیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہ نخعی کوفیؒ کے نام کو دیکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک و ظالم بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد و زاہد سمجھ بیٹھے۔

چھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں "یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رضامند تھا اور یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔"

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ مے نوش بھی تھا اور تارک صلوٰۃ بھی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا، حرم نبوی کی بےحرمتی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پامال کیا ہے منجنیق سے غلیل حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی کے فتویٰ کی تنقیح

امام غزالیؒ نے اپنے فتویٰ میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برأت نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔

بالفرض مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا نہ وہ ان کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کے عمال بداعمال کے ہاتھوں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اس نے نہ انکے قتل کا حکم دیا تھا نہ وہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال سے اس سلسلہ میں اس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالیؒ خاموش ہیں اور سب سے بڑھکر یہ امر غور طلب ہے کہ تاریخ ابن خلکان اٹھا کر ان کے اس فتویٰ کو اول سے آخر تک پڑھ

لیجئے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متقی اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا اس فتویٰ میں تو صرف دو مسئلوں پر کلام ہے ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام غزالیؒ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق کچھ یزید ہی کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسینؓ سے راضی تھا سخت دشوار ہے امام غزالیؒ کے اس شبہ کا جواب حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی نے "الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم" میں اجمالی طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے فرماتے ہیں۔

ولما حكى ابن خلكان كلام	اور جب ابن خلکان نے حافظ عماد الدین
الحافظ عماد الدين هذا	کیا ہراسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا کہ جس میں
أورد بعده كلاماً رواه	یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے تو
عن الغزالي وكلامه ذلك	اس کے بعد غزالیؒ کا ایک فتویٰ بھی نقل
شاهد ببراءة الغزالي من	کیا جو اس امر کا شاہد ہے کہ غزالی قتل حسینؓ
القول بتصويب يزيد في	کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت
قتل الحسين وإنما تكلم	سے بری ہیں۔
في مسألتين غير ذلك أحدهما	انہوں نے تو صرف دو مسئلوں پر بحث کی
تحريم اللعن ولم يخص يزيد	ہے جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی
فهو مذهبه في كل فاسق و	نہیں ہے ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام
كافر كما رواه عنه النووي	ہے اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں
في الأذكار وقد ذكر النووي	بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان

ان ظاهر الاخبار خلاف
ذالك وقد افردت الكلام
على ذالك في كراسي و ثانيها
القول بان العلم برضا يزيد
لقتل الحسين متعذر وليس
في هذا نزاع ولو اقر يزيد
بلفظ صريح وسمعنا ذالك
منه لم نعلم ان باطنه كما
اظهر وقد جهل رسول الله
صلى الله عليه وسلم بواطن
المنافقين ووكل علم ذالك
الى الله تعالى ولكن الحكم للظاهر
وقد روى البخاري رح في صحيحه
عن عمر بن الخطاب رض انه
قال ان اناسا كانوا يؤخذون
بالوحي على عهد رسول الله صلى
الله عليه وسلم وان الوحي
قد انقطع فمن اظهر لنا خيراً
آمناه وقربناه وليس لنا
من سريرته شيء ومن
اظهر لنا سوء لم نامنه

کی یہی رائے ہے چنانچہ امام نووی نے
بھی اپنی کتاب الاذکار میں ان کا یہی
مذہب نقل کیا ہے اور امام نووی کا
بیان ہے کہ ظاہر احادیث اس مذہب
کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جزء
اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے۔
اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس بات کا
یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسین سے راضی
تھا محال ہے اور ہمیں بھی اس میں نزاع
نہیں بالفرض اگر یزید صاف اور صریح
الفاظ میں بھی قتل حسین کا مقر ہوتا اور
خود ہم اسکی زبانی اس کے اس اقرار کو
سن لیتے تب بھی اس کا یقین نہیں
ہو سکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے
کیونکہ اس امر کا امکان بہر حال تھا کہ
اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو، خود آنحضرت ﷺ
منافقین کے باطنی حالات سے بے خبر تھے
اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ
کے سپرد کر دیا تھا لیکن شرع کا حکم یہ
ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے
چنانچہ امام بخاری رح اپنی صحیح میں حضرت

ولم نصدقه وإن قال إن سريرته حسنة (الروض الباسم ج ٢ ص ٢٣٢ طبع مصر)

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کی بنا پر لوگوں کی گرفت ہو جاتی تھی اور اب وحی ختم ہو گئی لہٰذا جو شخص ہمارے سامنے خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امن دینگے اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے ہم کچھ ذمہ دار نہیں اور جو ہمارے سامنے بدی کا اظہار کریگا اسکو نہ ہم امن دیںگے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرینگے اگرچہ وہ یہ کہے جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے۔

امام غزالی بزرگ آدمی ہیں وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے۔ اور نہ کسی کافر معین پر لعنت کو روا رکھتے ہیں پھر یزید پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں مومن کا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا اولیٰ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یزید پر لعنت کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لیکر اپنی زبان کو گندہ کرے ظاہر ہے کہ اس پر لعنت کی بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق ثواب زیادہ ہوگا مگر یزید پر لعنت نہ کرنے سے اس کا متقی اور صالح ہونا کہاں سے ثابت ہو گیا؟

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کا آخری خطبہ

خود امام غزالیؒ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدان کربلا میں آپ نے دیا تھا۔ نقل کیا ہے اس سے صورت واقعہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

لما نزل القوم بالحسين
رضي الله تعالىٰ عنه وايقن
انهم قاتلوه قام في اصحابه
خطيباً فحمد الله واثنىٰ عليه
ثم قال نزل من الامر ما ترون
وان الدنيا قد تغيرت وتنكرت
وادبر معروفها وانشمرت
حتىٰ لم يبق منها الا كصبابة
الاناء الا خسيس من عيش
كالمرعى الوبيل الا ترون ان
الحق لا يعمل به وان الباطل
لا يتناهى عنه ليرغب المؤمن
في لقاء الله تعالى واني لا ارى
الموت الا سعادة والحياة مع
الظالمين الا جرماً

احياء العلوم ج ۳ ص: ۳۹۸
طبع مصر

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مقابل آکر اتری اور آپ کو
یقین ہوگیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کر کے
رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے
سامنے کھڑے ہوکر خطبہ دیا جس میں
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا۔ جو
مصیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں
کے سامنے ہے دنیا بدل گئی اور اجنبی بن
گئی اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لی اور جلدی
سے کھسک گئی اب تو اس میں سے بس
صرف اتنا سا باقی رہا ہے جیسے کہ برتن میں
سے پانی لینے کے بعد اس میں کچھ لگا رہ جاتا ہے
اور یہ اتنی سی نکمی زندگی جو اس چراگاہ کی
طرح ہے کہ جس میں چرنے سے بدہضمی ہو جاتی
ہے دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے
اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا اب مومن
کو چاہیئے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت
کرے اور میں تو مرنے میں اپنی سعادت سمجھتا
ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینے کو جرم۔

جرماً "احیاء العلوم" میں غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے "مجمع الزوائد" سے اس کی تصحیح کی ہے

یہ ہے یزید کے دورِ حکومت کا نقشہ جس کی تصویر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ دی ہے اب یہ گتھی غزالی یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسین رضہ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزید کی فوج نہیں بلکہ جنات و شیاطین تھے۔ اور ابن خلقان[1] قاف سے نہیں بلکہ کاف سے "ابن خلکان" ہے

امام کیا ہراسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے

اس "تاریخ ابن خلکان" میں امام غزالی رح کے فتوے کے ساتھ ان کے استاد بھائی شمس الاسلام امام ابو الحسن علی بن محمد طبری الملقب عماد الدین المعروف بالکیا ہراسی رح کے بارے میں خود مورخ ابن خلکان نے حافظ عبد الغافر فارسی سے نقل کیا ہے کہ "وکان ثانی الغزالی" یعنی غزالی ثانی تھے۔ الکیا کا یہ فتویٰ بھی منقول ہے کہ

وسئل الکیا ایضاً عن یزید	الکیا سے بھی یزید بن معاویہ کے بارے میں
بن معاویة فقال انه لم	فتویٰ پوچھا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ یزید
یکن من الصحابة لانه ولد	صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت[2] عمر بن
فی ایام عمر بن الخطاب رضی الله	الخطاب رضہ کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا رہا سلف
عنه واما قول السلف ففیه لاحمد	کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد کے اس بارے میں
قولان تلویح وتصریح ولمالک قولان تلویح	دو قول ہیں۔ ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ
وتصریح ولابی حنیفة قولان تلویح وتصریح	ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے
ولنا قول واحد التصریح دون التلویح	بھی دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ ہے دوسرے میں تصریح ہے

---

[1] ہمارے پاس جو استفتاء آیا اس میں قاف سے ہی مرقوم ہے۔ [2] "تاریخ ابن خلکان" اب تک چار دفعہ طبع ہو چکی ہے ایک دفعہ ایران میں اور تین دفعہ مصر میں۔ اس کے تمام مطبوعہ نسخوں میں "عمر بن الخطاب" ہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین دمیری نے "حیوۃ الحیوان" میں زیر عنوان "فہد" اور مورخ ابو العباس قرمانی نے "اخبار الدول" (ص ۱۲۰) میں اس فتویٰ کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں ان میں "عمر بن الخطاب" کی بجائے "عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ" مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

لعنت بر شخص خاص شخصے اگرچہ کافر بود
جائز ندارند چہ دانی کہ عاقبت کار او
بایمان وسعادت بود، مگر آنکہ بہ
یقین معلوم شد کہ موت وے بر کفر و
شقاوت است، تا آنکہ بعض در یزید
شقی نیز توقف کنند وبعض براہ غلو و
افراط در شان وے وموالات وے روند
وگویند کہ وے بعد ازاں کہ باتفاق مسلمانان
امیر شدہ اطاعت وے بر امام حسین واجب
شد نعوذ باللہ من ھذا القول
ومن ھذا الاعتقاد کہ وے باوجود امام
حسین امام امیر شود باتفاق مسلمانان
برے کے شد جمعے از صحابہ کہ در زمان او
بودند واولاد اصحاب ہم منکر وخارج
از اطاعت او بودند نعم جماعۂ از مدینہ
مطہرہ بشام نزد وے کرہاً وجبراً رفتند
داد جائزہائے سنی رساندہ لیکے ہیچ نزد
ایشاں نبارہ، بعد ازاں کہ حال قباحت
مآل او را دیدند بمدینہ باز آمدند
خلع بیعت او کردند وگفتند کہ وے
عدو اللہ وشارب خمر وتارک صلوۃ وزانی

ہیں کیونکہ مومن کا کام لعنت کرنا نہیں
وہ کسی بھی مخصوص شخص پر اگرچہ وہ کافر
کیوں نہ ہو لعنت کو روا نہیں رکھتے
پتہ کہ اس کا انجام ایمان وسعادت پر ہو
الا یہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی موت
کفر وشقاوت ہی پر ہوئی ہے، حتی کہ امام
حضرت یزید شقی کے بارے میں بھی توقف
کرتے ہیں اور بعضے اس کی شان میں غلو اور
افراط کرتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم بھرتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے
اتفاق سے امیر ہوا تھا۔ لہذا اس کی اطاعت
امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ پر واجب تھی
ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ
تعالی کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے
ہوتے ہوئے وہ امام اور امیر ہو اس کے
امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟
صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانے
میں تھی اور صحابہ زادے بھی اس کی اطاعت
سے خارج اور اس کی خلافت سے منکر
تھے۔ ہاں مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت
جبراً وکرہاً اس کے پاس شام گئی تھی اور

وناحق و مستحل محارم است و بعضے دیگر
گویند کہ وے امر بقتل آنحضرت نکرده و
بآں راضی نہ بوده و بعد از قتل وے اہل
بیت وے مسرور و مستبشر نشده و ایں سخن
نیز مردود و باطل است چہ عداوت آں
بے سعادت با اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم و استبشار وے بقتل ایشاں و اذلال
و اہانت او مر ایشاں را بدرجہ تواتر معنوی
رسیده است و انکار آں تکلف و مکابره
است و بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسین
گناه کبیره است چہ قتل نفس مومن بناحق
کبیره است و کفر و لعنت مخصوص بکافران
است و لیت شعری کہ ارباب ایں تاویل
با احادیث نبوی کہ ناطق اند بآنکہ بغض و
عداوت و ایذا و اہانت فاطمہ و اولاد
او موجب بغض و ایذا و اہانت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
است چہ مے گویند و آں سبب
کفر و موجب لعن و خلود نار
جہنم است بلا شک بموجب
آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ

یزید نے ان کو بڑے بڑے انعام اور لذیذ
دعوتوں سے نوازا تھا لیکن یہ حضرات جب
اس کا حال قباحت مآل دیکھ کر مدینہ منورہ
واپس ہوئے تو اس کی بیعت توڑ دی اور
صاف بتا دیا کہ وہ دشمن خدا تو مے نوش
تارک صلوٰۃ، زانی، فاسق اور محرمات الٰہی
کا حلال کرنے والا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں
کہ انہوں نے آنحضرت کے قتل کا حکم ہی نہیں دیا
اور نہ وہ آپ کے قتل پر راضی تھا اور نہ آپ کی
اور اہل بیت کی شہادت پر خوش ہوا اور نہ اس کا بر
کچھ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی
مردود و باطل ہے کیونکہ اہل بیت نبوی ؑ
سے اس بدبخت کی عداوت اور ان حضرات
کے قتل پر اس کا خوشیاں منانا اور خاص
طور سے ان حضرات کی تذلیل و اہانت کرنا
تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اور
ان امور کا انکار محض بناوٹ اور زبردستی ہے
اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کا قتل گناہ کبیرہ
ہے کیونکہ کسی مومن کا ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ
ہی ہے۔ اور کفر و لعنت تو کافروں کے ساتھ
مخصوص ہے اور کاش مجھے پتہ چلتا یہ سب

اللّٰه وَرَسُوْلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰه
فی الدنیا و الآخِرَة وَ
اَعَدَّ لهم عذابا مهینا

وبعض دیگر گویند که خاتمه وے معلوم
نیست شاید که او بعد از ارتکاب آں کفر و
معصیت توبه کرده باشد و در نفس اخیر
بر توبه رفته باشد و میل امام محمد غزالی
در احیاء العلوم بایں حکایت است
وبعض از علمائے سلف و اعلام امت
مثل امام احمد بن حنبل و امثال او
بروے لعنت کرده اند و ابن جوزی که
کمال شدت و عصبیت در حفظ سنت

باتیں بتانے والے ان احادیث نبوی کے
بارے میں کہ جو اس امر پر ناطق ہیں کہ حضر
فاطمہ رضہ اور ان کی اولاد کی ایذا اور
اور ان سے بغض و عداوت خود رسول ا
کی ایذا و اہانت اور آپ سے بغض کا موجب
کیا کہتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا تو بموجب آیت
ان الذین الخ بے شک جو لوگ ستاتے
ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکار ا
اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ نے
کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے
بلاشک سبب کفر ہے جس کی بنا پر لعنت ا
ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہو جاتا ہے
اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے
خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اس نے کفر و معصیت
کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی ہو اور آخری
سانس میں توبہ ہی کی حالت میں گیا ہو
"احیاء العلوم" میں امام غزالی کا میلان بھی
اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے
سلف و اعلام امت نے جیسے امام احمد بن
حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید
پر لعنت کی ہے اور محدث ابن جوزی نے

و شریعت دارد در کتاب خود لعنت وے را از سلف نقل کردہ است و بعضے منع کردہ اند و بعضے توقف ماندہ اند

(تکمیل الایمان ص: ۱۰۷ مطبع مجتبائی دہلی)

جو سنت و شریعت کی پاسداری میں پوری شدت و سرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

لعن یزید میں اختلاف علما کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فتاوی عزیزی میں یہ بیان فرمائی ہے۔

و در لعن یزید توقف از آں جہت است کہ روایات متناقضہ و متخالفہ از آں پلید در مقدمۂ شہادت امام علیہ السلام وارد شدہ از بعض روایات رضا و استبشار و اہانت اہل بیت و خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفہوم میگردد و کسانیکہ ایں روایات در نظر آنہا مرجح واقع شدہ حکم بلعن او نمودند چنانچہ احمد بن حنبل و کیا ہراسی از فقہائے شافعیہ و دیگر علمائے کثیر و از بعضے روایات کراہت ایں امر و عتاب بر ابن زیاد و اعوان او

یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں اس پلید کے متعلق متضاد و مخالف روایتیں آئی ہیں بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ کے اہل بیت کی اہانت پر شاداں و فرحاں تھا جن حضرات کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں نے اس پر لعنت کا حکم دیا چنانچہ امام احمد بن حنبل اور فقہائے شافعیہ میں سے کیا ہراسی اور دیگر بہت سے علما کی یہی رائے ہے اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور ابن زیاد اور اس کے اعوان و انصار پر عتاب

وندامت بریں کار کہ از دست نواب او بوقوع آمد معلوم می شود کسانیکہ این روایات نزد ایشاں مرجح شد از لعن او منع نمودند چنانچہ امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے شافعیہ و اکثر علمائے حنفیہ و جماعتے از علما کہ نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند و ترجیح یکطرف بر دیگر حاصل نشد بنا بر احتیاط توقف نمودند ہمیں است واجب بر علماء عند التعارض و ھو قول ابی حنیفۃ آرے در لعن شمر و ابن زیاد کہ رضا و استبشار آنہا بایں فعل شنیع قطعی است من غیر التعارض ہیچکس را دراں توقف نیست

(ج ۱ ص: ... طبع مجتبائی دہلی)

اور اس کام پر ندامت کہ جو اس کے نائبوں کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے سو جن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل ترجیح ہوئیں۔ انہوں نے اس پر لعنت کرنے سے منع کیا چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ ہیں ان کی رائے یہی ہے، اور علما کی ایک جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے احتیاط کی بنا پر توقف کیا اور تعارض کے وقت علما پر یہی واجب بھی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ [1]

ہاں شمر اور ابن زیاد پر لعنت کرنے میں کہ ان کا اس فعل شنیع کے ارتکاب پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم کے تعارض کے بغیر قطعی طور پر معلوم ہے کسی شخص کو توقف نہیں ہے

---

[1] غلط فہمی نہ ہو امام ابوحنیفہ رح سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت نہیں بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے یزید کے بارے میں خود ان کی تصریح آگے آ رہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

یزید پہ جب لوگوں نے پھٹکار کی تو قتل حسین پر اظہار ندامت کیا

اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں سرے سے کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش تھا بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار شروع کی اور اہل اسلام کی نظر میں وہ حقیر ہونے لگا تو پھر اس نے اظہار ندامت شروع کر دیا چنانچہ حافظ سیوطی رح "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں۔

ولما قتل الحسین وبنو ابیه بعث ابن زیاد برؤسهم الی یزید فسر بقتلهم اولاً ثم ندم لما مقته المسلمون علی ذالک وابغضه الناس وحق لهم ان یبغضوه (تاریخ الخلفا ص ۱۸)

جب حضرت حسین رض اور ان کے بھائی شہید کر دیئے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا۔ وہ اول تو اس پر بہت ہی خوش ہوا پھر جب مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پہ پھٹکار شروع کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے اظہار ندامت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے نفرت کرنا ہی چاہیئے تھی۔

خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے۔ چنانچہ "تحفہ اثنا عشریہ" میں فرماتے ہیں۔

وبعضے قتل انبیا و پیغمبر زادها میمایند مثل یزید واخوان او (ص ۳۰۰ طبع لکھنؤ ۱۳۲۵ھ)

اور بعض انبیا اور پیغمبر زادوں تک کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس کے معنوی بھائی ہوتے ہیں۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود حضرت شاہ صاحب ممدوح کی جو رائے ہے وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ صاحب کشفی نے "تحریر الشہادتین" میں نقل کر دی ہے فرماتے ہیں۔

"و درین شکے نیست کہ یزید پلید آمر و راضی و مستبشر از قتل حسین بود و ہمین است مذہب حق و جمہور اہل سنت و جماعت چنانچہ در کتب معتمدہ مثل "مفتاح النجا" میرزا محمد بدخشی و مناقب السادات ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی و شرح عقائد نسفی ملا سعد الدین تفتازانی و تکمیل الایمان شیخ عبد الحق محدث دہلوی و غیر آں از اسفار معتبرہ با شواہد و دلائل مذکور و مسطور است و لہذا لعن آں ملعون بہ حجج قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کردہ اند۔ و مختار راقم الحروف و اساتذہ صوری و معنوی ما ہمین است کہ یزید آمر و راضی و مستبشر بقتل حسین رض بود و مستحق لعنت ابدی و وبال نکال سرمد است و اگر جاہل بکار رود قصر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید پلید ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا پسندیدہ مذہب ہے۔ چنانچہ معتمد علیہم کتابوں میں جیسے کہ مرزا محمد بدخشی کی "مفتاح النجا" اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی مناقب السادات اور ملا سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد نسفیہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان اور ان کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں مع دلائل و شواہد مذکور و مرقوم ہے اور اسی لیئے اس ملعون پر لعنت کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور راقم الحروف اور ہمارے اساتذہ صوری و معنوی نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے۔ کہ یزید پ

بہ مجرد لعنت در حق آن ملعون تقصیریست کہ مقصور بر آن نباید بود چنانچہ استاد البریہ صاحب "تحفۂ اثنا عشریہ" علیہ الرحمۃ در رسالہ "حسن العقیدہ" در حاشیہ کہ بر کلمہ "علیہ ما یستحقہ" تعلیق فرمودہ اند افادہ مینمایند کہ "علیہ ما یستحقہ" کنایہ است از لعنت "والکنایۃ ابلغ من التصریح" از قواعد مشہورہ عربیت است مع ہذا در ابہام ما یستحقہ تفخیمے و تشنیعے است کہ در تصریح لفظ لعنت فوت میگردد، چنانچہ در تفسیر فغشیہم من الیم ما غشیہم مذکور میشود و حق اینست کہ اکتفا بر نفس لعنت در حق یزید تقصیریست زیرا کہ این قدر را جزاء مطلق قتل مومن تقریر کردہ اند قال اللہ تعالی و من یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعد لہ عذابا عظیما۔

و یزید را درین عمل زیاد خبثیت کہ عمر و

قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا۔ اور وہ لعنت ابدی اور وبال نکال سرمدی کا مستحق ہے اور اگر ہو جائے تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکتفا کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اس پر بس نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ استاد البریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ نے رسالہ حسن العقیدہ کے حاشیہ میں جملہ "علیہ ما یستحقہ" پر جو تعلیق (نوٹ) سپرد قلم فرمایا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ ما یستحقہ، لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے عربیت کا مشہور قاعدہ ہے اسی کے ساتھ ما یستحقہ (یعنی جس کا وہ مستحق ہے) کے ابہام میں جو بڑی تشنیع اور اس کی حد درجہ خرابی پنہاں ہے وہ صراحتاً لعنت کے لفظ کے استعمال سے فوت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آیت فغشیہم من الیم ما غشیہم کی تفسیر میں اس کا بیان آتا ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق میں محض لعنت پر اکتفا کرنا کوتاہی ہے اس لیے کہ اتنی قدر تو مطلق مومن کے قتل کی سزا مقرر کی گئی ہیں ارشاد الٰہی ہے اور جو کوئی قتل کرے کسی کو

وا دست نداده و آں زیادت را جز بہ استحقاق
او حوالہ نتواں کرد کہ علم بشر از معرفت خصوصیت
آں عاجز است واللہ اعلم وعلمہ احکم
انتہی کلامہ الشریف ۔) تحریر الشہادتین
ص : ۹۶ ۔ ۹۷ مطبوعہ محلہ خیلے گنج
آغا جان لکھنؤ ۱۲۵۶ھ ۔)

جان کر تو اسکی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب" اور یزید نے تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے کہ جو دوسرے کو میسر ہی نہ ہو سکی، اس لیے اس زیادتی کو بجز اس کے استحقاق کے اور کسی امر پر حوالہ نہیں کیا جا سکتا. کیونکہ انسان کا علم اس کے خصوصی استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے واللہ اعلم وعلمہ احکم ۔ یہاں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد ختم ہوا۔

معلوم ہوا کربلا میں جو مظالم کیے گئے ان کی بنا پر شاہ عبد العزیز صاحب کے نزدیک "یزید" حق تعالیٰ کے اس قدر قہر و غضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا تو کچھ بھی نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا چاہیئے "علیہ ما یستحقہ" کیونکہ خدا کو ہی معلوم کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔

**بعض لعنت کرنے سے اس لیے رکتے ہیں
کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں**

اور بعض حضرات یزید پر اس لیے لعنت کرنا مناسب نہیں خیال کرتے کہ اس طرح تو اس کے گناہ اور کم ہونگے چنانچہ مولانا غلام ربانی ازالۃ الخطار فی رد کشف الغطا" میں لکھتے ہیں۔

وظاہر است کہ گفتن لعن وطعن موجب
سقوط وزر از ملعون میگردد لہٰذا زبان
بلعن آلودہ نمی کنند در مدح یزید پلید

اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن کیا جاتا ہے.. لہٰذا زبان کو لعنت سے آلودہ

را تخفیف وزر شاں نمی سازند بلکہ می خواہند ہمچناں حامل وزر گراں بود مقصود الحق باشند (ص: ۳۵، ۳۶ طبع مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۹۱ھ)

نہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب یزید پلید کی روح کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح گناہ کا بھاری بوجھ لادے لادے کمر شکستہ رہے۔

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں تصریح کی ہے کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں لوگ یزید پر لعنت کرتے کرتے بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں جیسا کہ رافضیوں کا شعار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فان قیل فمن علماء المذہب من لم یجوز اللعن علی یزید مع علمہم بانہ یستحق ما یربو علی ذلک ویزید قلنا تحامیا عن ان یرتقی الی الاعلی فالاعلی کما ہو شعار الروافض (ص: ۳۰۷ ج ۲ طبع قسطنطنیہ)

پھر اگر کہا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی میں ایسے بھی ہیں کہ جو یزید پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ ان کو یہ علم ہے کہ وہ لعنت سے بھی بڑھ کر اور زیادہ وبال کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ جائے جیسا کہ روافض کا شعار ہے۔

مگر جیسا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف قتل حسین ہی کا اندراج نہیں بلکہ اس کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے آخر اس کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ایک بار پھر پڑھ لیجیے معلوم

الذی فی کفی ارید فشرب ثم
قال لہ مسلم بن عقبۃ قم
إلی ھٰھنا فاجلس فاجلسہ
معہ علی السریر وقال لہ: ان
أمیر المؤمنین اوصانی بك وان
ھولاء شغلونی عنك ثم قال لعلی
بن الحسین لعل اھلك فزعوا فقال
ای واللّٰہ فامر بدابتہ فاسرجت
ثم حملہ علیھا حتی ردّہ
إلی منزلہ مکرماً
(البدایہ والنھایہ ج ۸
ص ۲۲۰)

اور ڈر سے پی ہی سکتے تھے تب اس شقی نے آپ کو
بُلایا کہ اگر امیر المومنین تمہارا خیال رکھنے کی
مجھے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا
اس کے بعد کہنے لگا اچھا اب تم پینا چاہتے
ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لیے
اور منگا دیں حضرت نے فرمایا بس جو میرے
ہاتھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں پھر اُن سے
کہنے لگا ادھر اُٹھ کر بیٹھ جاؤ اور آپ کو
اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا اور کہنے لگا
کہ امیر المومنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں
تاکید کر دی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے مشغول
رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی پھر حضرت
سے کہنے لگا شاید تمہارے گھر والے تمہاری طرف سے
پریشان ہوں حضرت نے فرمایا بخدا ایسا ہی ہے
چنانچہ مسلم نے اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیا
اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے
گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا

اور طبقات ابن سعد میں ہے

اخبرنا الفضل بن دکین قال: اخبرنا
حفص عن جعفر عن ابیہ ان علی

حضرت علی بن حسین کنکریاں مارنے کے لیے
پیدل جایا کرتے منیٰ میں آپکا ایک مکان تھا

بن حسین کان یمشی الی الجمار
وکان له منزل بمنی وکان اهل الشام
یؤذونه فتحول الی قرین الثعالب او
قریب من قرین الثعالب وکان
یرکب فاذا اتی منزله مشی الی
الجمار (ج ۵ ص ۲۱۹
مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ)

اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے اس لیے آپ
اپنے مکان سے قرین الثعالب یا اس کے
قریب اٹھ کر آ گئے اب آپ سواری پر آنے
لگے اور جب اپنے گھر پہنچتے تو پھر
کنکریاں مارنے کے لیے پا پیادہ
جایا کرتے۔

اہل بیت کی حق تلفی

اخبرنا مالک بن اسماعیل قال:
حدثنا سهل بن شعیب النهمی و
کان نازلا فیهم یؤمهم عن ابیه
عن المنهال یعنی ابن عمرو قال
دخلت علی علی بن حسین فقلت کیف
اصبحت اصلحک الله؟ فقال ما کنت
اری شیخا من اهل المصر مثلک
لا یدری کیف اصبحنا ما اذا لم
تدر او تعلم فسأخبرک اصبحنا فی
قومنا بمنزلة بنی اسرائیل فی آل
فرعون اذ کانوا یذبحون ابناءهم
ویستحیون نساءهم واصبح شیخنا

اور اسی میں ہے۔

سہل بن شعیب نہمی جو بنی نہم میں امامت
کرنے کی وجہ سے رہا کرتے تھے اپنے باپ شعیب سے
اور شعیب منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں
کہ میں نے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت
سے رکھے صبح کس حال میں ہوئی، فرمایا میں تو
سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی
یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی اور
اور جب آپ یہ نہیں جانتے یا اس کا علم آپ کو
نہیں تو پھر میں اب بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے
اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جس طرح
بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے ساتھ کی تھی

وسيدنا نتقرب إلى عدونا بشتمه وسبه على المنابر واصبحت قريش تعد ان لها الفضل على العرب لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها لا يعد لها فضل الا به واصبحت العرب مقرة لهم بذلك واصبحت العرب تعد ان لها الفضل على العجم لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها لا يعد لها فضل الا به واصبحت العجم مقرة لهم بذلك فلئن كانت العرب صدقت ان لها الفضل على العجم وصدقت قريش ان لها الفضل على العرب لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها ان لنا اهل البيت الفضل على قريش لان محمداً صلى الله عليه وسلم منا فاصبحوا ياخذون بحقنا ولا يعرفون لنا حقاً فهكذا اصبحنا اذ لم تعلم كيف اصبحنا قال فظننت انه اراد ان يسمع من في البيت

(ج ۵ ص ۲۱۹ - ۲۲۰)

گروہ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے اور ہمارے شیخ اور ہمارے سردار (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ بر سر منبر ان پر سب و شتم کر کے ہمارے دشمن کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال میں صبح کی کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عرب پر اپنی فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں اور ان کے بغیر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ بھی قریش کی اس فضیلت کے معترف ہیں۔ نیز اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اہل عجم پر اپنی فضیلت کو اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی فضیلت شمار نہیں ہو سکتی۔ اور اہل عجم نے اس حالت میں صبح کی کہ انہیں بھی عرب کی اس فضیلت کا اعتراف ہے پس اگر عرب اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب

بھی تھے اور قریشی بھی تو ہم اہل بیت کو ہی قریش پر اسی لیے فضیلت ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہم میں سے تھے اب قریش اس وقت کے حکمران بنی امیہ مراد ہیں) نے اس حال میں پہنچا دیا ہے کہ خود تو ہمارا حق لے چکے ہیں مگر اپنے اوپر ہمارا کوئی حق نہیں سمجھتے۔ اب سنو جب تمہیں یہ علم ہے تو نہیں کہ ہمیں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی ہے منہال کا بیان ہے کہ مجھے خیال گزرتا ہے کہ حضرت ان لوگوں کو سنا رہے تھے جو اس وقت گھر میں آئے ہوئے تھے

دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات سے ہوتی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا کتب تواریخ و انساب کا پڑھنا تو بڑی بات ہے اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تاریخ و انساب سے ثابت نہیں محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں بنی ہاشم اور امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظیر بھی پیش نہ کر سکے امویوں کو سادات میں شامل کرنا نامناسب ہے امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے۔

عبد الملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

یہ بھی واضح ہے کہ خود امیہ اور بنی ہاشم

کے بہت سے خاندان تھے عبدالملک مروانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اُس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیادتی کی تو ان پر زوال آ گیا چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

فان الحجاج مع کونه مبیراً سفاکاً للدماء قتل خلقاً کثیراً لم یقتل من اشراف بنی هاشم احداً قط بل سلطانه عبد الملک بن مروان نهاه عن التعرض لبنی هاشم وهم الاشراف وذکر انه اتی الی بنی الحرب لما تعرضوا لهم یعنی لما قتل الحسین المحرمة دمه (ابن تیمیہ ج ۴ ص ۱ ۵۰۴)

بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ بڑا ظالم اور سخت خونریز تھا اور اُس نے ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا تھا تاہم اشراف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اُس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشراف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہدیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آگئی مطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضؓ کو جب قتل کیا تو ان پر ادبار آگیا۔

اسی لیے بنو ہاشم اور بنو مروان میں اگر تعلقات قرابت بعد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکحت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے جو یزید کے مظالم کے مروانی بھی اقراری تھے۔

گیارھواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسین رضؓ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ یزید کی بیعت پر تمام امت

متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دست بردار ہو گئے۔

اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ ابن الاثیر الاصابہ لابن حجر اور تاریخ الخلفاء یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستفتی نے سوال میں ذکر کیا ہے

کیا العیاذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض نرے نادان عقل سے کورے احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دینی تقاضوں سے بہرے سے ناآشنا تھے کہ سائل کو تو اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شریر النفس لوگوں کے بہکانے میں آ کر جن کے

> ”نامبارک عزائم و مقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضہ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوتے اور کبھی جنگ جمل و صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حسن رضہ کی توہین و تحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں۔“

آپ نے یہ باور کر لیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف خروج پر آمادہ ہو گئے سبحان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحمیق و تجہیل میں کہا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نہ صرف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہو سکی جو مستفتی پر واضح ہوئی ہے نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات جھوٹ بولنے کی حد ہو گئی۔

فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا!

حضرت فاروق اعظم رضی
تعالیٰ عنہ کی شہادت میں

کوئی کا اعتقاد نہ تھا یہ محض جھوٹ ہے نہ ان کی شہادت کسی سازش کے تحت عمل میں آئی ان کی شہادت کے بارے میں سازش کا افسانہ موجودہ دور کے ملحد سبائیوں کے ذہن کا ساختہ و پرداختہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ہمارے رسالہ "اکابر صحابہ پر بہتان" کا مطالعہ کرنا چاہیے

بقیہ غلط باتوں پر تنبیہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں بھی کسی کوفی کا نام نہیں لیا جاتا؟ ان سب میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی۔ جنگ جمل و صفین میں کیا طرفین سے سارے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے تھے کہ وہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان شریر النفس کوفیوں کی شرارت کو بالکل نہ سمجھ سکے۔ اور قتل و قتال کا ہنگامہ کارزار جاری رکھا ایک ملحد ہی یہ بات سوچ سکتا ہے کسی مسلمان کا ذہن اس خرافات کو باور نہیں کر سکتا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتل عبد الرحمن بن ملجم مرادی پکا خارجی تھا خارجیوں کا گڑھ کوفہ نہیں بصرہ تھا ابن ملجم قاتل علی کوفی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین و تحقیر میں خوارج اور نواصب پیش پیش رہے ہیں

یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام للہ فی اللہ تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی نااہلی کی بنا پر دوسروں کے کہنے سے نہیں بلکہ دینی بصیرت کے مطابق محض للہ فی اللہ بغرض اعلاء کلمۃ اللہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں

قسم خرجوا غضبا للدین من اجل	ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم
جور الولاۃ وترک عملهم بالسنۃ	اور سنت نبوی پر انکے عمل نہ کرنے کی بنا پر دینی
النبویۃ فهؤلاء اهل الحق۔	غیرت و حمیت میں نکلے یہ سب اہل حق ہیں اور
ومنهم الحسین بن علی واهل	حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل
المدینۃ فی الحرۃ والقراء الذین	مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام

خرجوا علی الحجاج۔

(فتح الباری ص۲۴ ج ۱۲ طبع مصر)

علماء جو حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان ہی اہل حق میں ہے

جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا

شرعی نقطہ نظر سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحاب حرہ سے یزید کا جنگ کرنا کسی طرح بھی قطعاً جائز نہیں تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں

من خرج عن طاعة امام جائر اراد الغلبة على ماله او نفسه او اهله فهو معذور ولا يحل قتاله وله ان يدفع عن نفسه وماله واهله بقدر طاقته

وقد اخرج الطبری بسند صحیح عن عبد اللہ بن الحارث عن رجل من بنی مضر عن علی وقد ذکر الخوارج فقال ان خالفوا اماما عدلاً فقاتلوهم وان خالفوا اماما جائراً فلا تقاتلوهم فان لهم مقالاً

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جب ظالم ہوا اس شخص کے جان یا مال یا اہل و عیال پر قابض کرانا چاہا تو یہ شخص معذور ہے اور اس کا قتل حلال نہیں اور اس شخص کو یہ طاقت کے مطابق اپنی جان مال اور اپنی اہل و عیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے

چنانچہ امام طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے اس لئے معذ

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وعلى ذالك يحمل ما وقع للحسين بن على ثم لاهل المدينة فى الحرة ثم لعبد الله بن الزبير ثم للقراء الذين خرجوا على الحجاج فى قصة عبد الرحمن بن محمد ابن الاشعث والله اعلم (ج ۱۲ ص ۲۵۳ - ۲۵۴)	اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات کے قتال ناجائز تھا واللہ اعلم

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسین رض کو چین سے نہ بیٹھنے دیا

پوچھے شبہ کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ خط جو یزید کے نام لکھا گیا تھا درج کیا جاچکا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھنے ہی نہ دیا مدینہ میں تھے تو بیعت یزید پر اصرار تھا مکہ معظمہ آگئے تو وہاں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے نام خط لکھ کر اپنے تلخ اشعار میں حضرت حسین رض کو قتل کی دھمکی دی[1] حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خونریزی ہو اور حرم کی عزت خاک میں ملے[2]۔ اس لیے آپ نے کوفہ کا رخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان انصار تھے۔

جن حضرات نے کوفہ جانے سے حضرت حسین کو روکا بربنائے شفقت روکا

اور جن حضرات نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا وہ بھی بربنائے شفقت تھا نہ اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص: ۱۶۳ [2] ایضاً ص ۱۶۱ و ۱۶۵

نعوذ باللہ خلاف شرع تھا۔ ورنہ رد کرنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ
آپ مرتکب معصیت ہو رہے ہیں یزید جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ
شرع کی رو سے باغی مباح الدم اور واجب القتل ہو گئے۔ اس لیے خلیفہ برحق سے
بغاوت کرنا آپکے شایان شان نہیں غور فرمائیے یہ حضرات کوفیوں کی بے وفائی کا اندیشہ ظاہر
کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے ان میں
مخلصین کی کثیر جماعت تھی حضرت حسین رض
کو مرتبہ شہادت پر فائز ہونا تھا اس لیے لاکھ جتن کیئے جاتے ہونا یہی تھا جیسے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی قسمت میں ازل سے شہادت مقدر تھی بہت سے صحابہ کرام رض نے
آپ کی نصرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی بظاہر خیال
ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا فرار پر قرار ضروری تھا لیکن آپ نے ایسے
پسند ہی نہ فرمایا۔ اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ بھی انجام سے
ناواقف نہ تھے راہ حق میں شہادت مطلوب مومن ہے اس لیے آپ نے جو بہترین سعادت سمجھا
اسی پر عمل کیا۔

کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر اور حضرت حسین کی شہادت

کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر
رضی اللہ تعالی عنہ تھے جو حضور علیہ الصلوۃ
والسلام کے صحابی تھے۔ یزید کو جیسے
ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے عازم کوفہ ہونے کی اطلاع ملی اس نے فوراً حضرت
نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ کو وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو جسے
یزید اپنا چچازاد بھائی بتاتا تھا کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اس نے آتے ہی جو ظلم و ستم ڈھایا
اس سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں۔ بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو دار و رسن سے سر کیا۔ اور ظلم کو

جبر و قہر سے کوفہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کردی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو، اور کوئی کہیں نہ جا سکے۔ صورتحال میں ایسی اچانک تبدیلی سے مخلصین کو آپ کی نقل و حرکت کی خبر نہ ملنے کے سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی کوفہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حُر بن یزید تمیمی کے دستہ فوج نے جو ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا آپ کا محاصرہ کر لیا پھر عمر بن سعد کی سرکردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کرکے پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا پھر ان سب حضرات پر حملہ کرکے ان کو شہید کر ڈالا چنانچہ امام بخاریؒ "تاریخ صغیر" میں لکھتے ہیں۔

حدثنا موسیٰ ثنا سلیمان بن مسلم ابو المعالی العجلی قال سمعت ابی ان الحسین لما نزل کربلاء فاوّل من طعن فی سرادقه عمر بن سعد ثم رأیت عمر بن سعد وابنیه قد ضربت اعناقهم وعلقوا علی الخشب ثم الهبت فیهم النار (تاریخ صغیر ص: ۷۵)

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن مسلم ابو المعالی عجلی نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسینؓ جب کربلا میں فروکش ہو گئے تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سراپردہ میں نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا پھر میں نے کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی دیکھا کہ عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر آتش کر دیا گیا۔

اور ان سب شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر انکو کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی ...

حضرت حسین کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے سامنے طشت میں رکھکر پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدنہاد نے

آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

حدثنا محمد بن الحسین بن ابراھیم ثنا حسین بن محمد ثنا جریر عن محمد بن انس بن مالک قال اتی عبید اللہ بن زیاد برأس الحسین رضہ فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئاً فقال انس کان اشبھھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مخضوباً بالوسمة

(صحیح البخاری ص: ۵۳۰ ج ۱)

محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو وہ مردود چھڑی سے اس کو چھیڑتا رہا اور آپ کے حسن کے بارے میں بدزبانی کی اس پر حضرت انس رضہ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مشابہ تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر اس وقت وسمہ کا خضاب تھا۔

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے

حدثنا خلاد بن اسلم البغدادی نا النضر بن شمیل نا ھشام بن حسان عن حفصة بنت سیرین قالت ثنی انس ابن مالک قال کنت عند ابن زیاد فجئ برأس الحسین فجعل یقول بقضیب فی انفہ ویقول ما رأیت مثل ھذا حسناً لم یذکر قال قلت اما انہ

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا تو وہ چھڑی سے آپ کی ناک کو چھیڑ کر بطور طنز کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں دیکھا پھر اس کے حسن کا کیوں چرچا ہے میں

كان اشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم

هذا حديث حسن صحيح غريب

(ج ۲ ص: ۲۱۹)

نے کہا خبردار! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھے۔

عمرو بن سعد کا حشر

عمرو بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا یہ واقعہ ۶۶ھ کا ہے

ابن زیاد کے سر کے ساتھ کیا عبرتناک معاملہ ہوا

اور ۶۷ھ میں بروز عاشوراء ہی ابن زیاد بدنہاد بھی ابراہیم بن الاشتر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی قصر میں جہاں ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کا سر نامبارک بھی رکھا گیا پھر اس کے سر پر جو بیتی وہ سننے کے لائق ہے امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں۔

عن عمارةَ بن عمير قال لما جئ برأس عبيد الله بن زياد واصحابه نضدت في المسجد في الرحبة فانتهيت اليهم وهم يقولون قد جاءت قد جاءت فاذا حية قد جاءت تخلل الرؤس حتى دخلت في منخري عبيد الله بن زياد فمكثت هنيهة ثم خرجت فذهبت حتى تغيبت ثم قالوا

عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر چوک کی مسجد میں بالترتیب رکھے گئے تو میں بھی وہاں پہنچا اس وقت لوگوں کی زبان پر تھا وہ آیا وہ آیا دیکھا تو ایک سانپ سروں میں سے گھستا ہوا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا پھر تھوڑی دیر رہ کر باہر غائب ہو گیا اب پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا غرض اس سانپ

قد جاءت قد جاءت ففعلت ذالك مرتين او ثلاثا هذا حديث حسن صحيح (ج ٢ ص ٢١٩)

نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا

اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے۔

وقد اخطاء یزید خطاء فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبة ان تبیح المدینة ثلاثة ایام وهذا خطا کبیر فاحش مع ما انضم الی ذالك من قتل خلق من الصحابة وابناءهم وقد تقدم انه قتل الحسین واصحابه علی یدی عبید الله بن زیاد وقد وقع فی هذه الثلاثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة ما لا یحد ولا یوصف مما لا یعلمه الا الله عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن عقبة توطید سلطانه وملکه ودوام ایامه من غیر منازع فعاقبه الله بنقیض قصده وحال

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ وہ تین دن تک مدینہ نبوی میں قتل و غارتگری جاری رکھے بڑی خطا فاحش کی یہ بڑی سخت اور فحش غلطی ہے اور اس کے ساتھ صحابہ اور صحابہ زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ حضرت حسین اور ان کے اصحاب عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کر ڈالے گئے مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں وہ وہ مفاسد عظیمہ واقع ہوئے کہ جو حدود حساب سے باہر ہیں اور بیان کیے ہی نہیں جا سکتے بس اللہ عز و جل ہی کو ان کا علم ہے یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اس کی سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور ان کے ایام حکمرانی کو بلا نزاع دوام حاصل ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس

بینہ وبین مایشتہیہ فقصمہ اللہ قاصم الجبابرۃ واخذہ اخذ عزیز مقتدر وکذالک اخذ ربک اذا اخذ القریٰ وھی ظالمۃ ان اخذہ الیم شدید، ج ۸ ص ۲۲۲

کہ سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان آڑے آگیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو سب ظالموں کی کمر توڑ دیتا ہے اس کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی اور اسے اسی طرح دھر پکڑا جس طرح کہ غالب اور با اقتدار پکڑا کرتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی۔"

اِس کی نسل کا منقطع ہو جانا

اور خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فصل الخطاب میں فرماتے ہیں

روز طف باقی نماند از اولاد وے مگر زین العابدین پس حق تعالیٰ از صلب وے آنقدر کہ خواست از اہل بیت نبوت بیرون آورد و در شرق و غرب منتشر گردانید چنانچہ ہیچ ناحیہ و ہیچ شہرے از وجود شان خالی نیست و نباشد و از یزید و اخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ آباداں کند و آتش افروزد واللہ تعالیٰ راست ترین گویندگان است بر حبیب خود کہ فرمود اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ملاحظہ ہو

کربلا کے دن حضرت حسین رضؓ کی اولاد نرینہ میں بجز حضرت زین العابدین رضؓ کے کوئی مرد باقی نہ بچا پھر حق تعالیٰ نے آپ کی پشت سے خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا چاہا پیدا فرمایا اور ان کو شرق و غرب میں پھیلا دیا چنانچہ کوئی نواح اور کوئی شہر ایسا نہیں کہ جو ان حضرات کے وجود سے خالی ہو اور نہ کبھی خالی ہوگا اور یزید اور اسکی نسل سے ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جو گھر کو آباد رکھے اور اس میں دیا جلا سکے نہ کوئی نام لیوا رہا نہ پانی دلیوا اور اللہ تعالیٰ سب سے سچا ہے

الفرع النامی من الاصل السامی از نواب صدیق حسن خان (ص: ۵۰ طبع نظامی کانپور)

ذکر جب نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمادیا تھا کہ بے شک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا دم کٹا۔

یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت حسین یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے

اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو تین شرطیں رکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیجدیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی امیر یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر معاملہ اس طرح طے کرلوں جس طرح میرے بھائی حسن نے امیر معاویہؓ کے ساتھ کیا تھا۔ سائل نے "فاضع یدی فی یدہ" کے الفاظ تو نقل کئے لیکن بقیہ الفاظ تاریخ کی کس کتاب میں منقول ہیں۔

اس روایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منعقد ہونے پر اپنی رضامندی ظاہر کی ؟

سب سے پہلے جب یزید کی ولیعہدی کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکی ولی عہدی کی بیعت کی اور اسکو درست بتلایا پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر یزید کے عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا ؟ کیا آپ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بنا پر خیرباد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر ناجائز دباؤ ڈالا جارہا تھا ؟ کیا آپ ان وجوہ سے وہاں سے چل کر حرم مکہ میں نہیں آگئے تھے ؟ حرم مکہ میں بھی آپ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اظہار رضامندی کیا تھا ؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر

کس طرح راضی ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بیعت کو بیعت ضلالت بھی سمجھتے تھے چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں رقمطراز ہیں۔

اذ رأی انها بیعة ضلالة (ج ۴ ص ۱۰۵) حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس کی بیعت بیعت ضلالت ہے۔

آپ کا اخیر خطبہ جو آپ نے میدان کربلا میں دیا آپ کے موقف کو صاف بتا رہا ہے یہ خطبہ احیاء العلوم امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا حضرت ابن عباس رض کا وہ خط بھی پڑھ لیجئے جو آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل ابن اثیر کے حوالہ سے ہم نقل کر چکے ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ اپنے موقف سے رجوع کر کے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے راضی ہو گئے تھے حالانکہ یہ دونوں مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی اہم بات کا ذکر ضروری تھا پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے کسی ایک فرد نے کبھی جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے۔ حضرت تو عزم و ہمت اور عزیمت کے اعتبار ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے۔ اور کمالات و فضائل کے اعتبار سے اپنے تمام معاصرین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے رجوع فرما سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت ناپسندیدہ تھی چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں۔

انما انکر من الصحابة	صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے
رضی اللہ عنہم ومن التابعین	جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
بیعة یزید بن معاویة	اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا
والولید وسلیمان لانهم کانوا	وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسند

غیر موضیں الفصل ج ۳ ص ۱۶۹ تخصیص تخمین

طبع مصر ۱۳۲۱ھ

نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید نے اپنی حرکات سے توبہ کی، نہ ان حضرات میں سے کسی نے اس سے بیعت کا ارادہ فرمایا، بہرحال اگر اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت، حاضرین واقعہ سے بسند صحیح مذکور ہو تو ضرور پیش کی جائے ہم بصد شکریہ اس تحقیق کو قبول کریں گے

حضرت حسین رضؓ کا شمار نجباء صحابہ میں ہے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرام رضؓ کے اس اعلیٰ طبقے میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے "نجباء" (خاص برگزیدہ اصحاب) اور "رقباء" (جو آپ کے احوال کے نگران ہوں) میں داخل فرمایا ہے

چنانچہ جامع ترمذی میں۔

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن لکل نبی سبعۃ نجباء رقباء واعطیت انا اربعۃ عشرۃ قلنا من ہم؟ قال أنا وابنای وجعفر وحمزۃ وابوبکر وعمر ومصعب ابن عمیر وبلال وسلمان وعمار وعبد اللہ ابن مسعود وابوذر والمقداد رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص ۵۸۰ ج ۲)

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے سات نجباء و رقباء ہوئے ہیں اور مجھے حق تعالیٰ نے چودہ عنایت فرمائے ہیں ہم نے عرض کیا یہ کون کون حضرات ہیں آپ نے فرمایا میں یعنی حضرت علی اور میرے دونوں بیٹے (حسن و حسین) جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبد اللہ بن مسعود، ابوذر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

"نجیب" کے معنی برگزیدہ اور "رقیب" کے معنی نگران احوال کے ہیں، شیخ اجل عبد الحق محدث دہلوی رح "اشعۃ اللمعات" میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

ازیں معلوم میشود کہ دریں چہاردہ نجیب نجابت و رقابت خصوصیتے است کہ در دیگران نیست

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چودہ بزرگوں کو نجابت و رقابت کے اعتبار سے وہ امتیاز و خصوصیت حاصل ہے جو اوروں کو نہیں ہے۔

اہلِ سُنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ علی و حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے

اب غور فرمایئے کہ جو حضرات شرف نجابت سے ممتاز ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگراں ہوں اللہ کے مزاج شناس ہوں بر سر حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے موقع پر ہوگا وہ جادہ شریعت سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا اس لیے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ و صلح کا جو اقدام بھی کیا وہ امت کے عین مفاد میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا چنانچہ علامہ عبدالحی بن العماد حنبلیؒ "شذرات الذہب" میں لکھتے ہیں۔

والعلماء مجمعون علی تصویب قتال علی لمخالفیہ لانہ الامام الحق ونقل الاتفاق ایضاً علی تحسین خروج الحسین علی یزید وخروج ابن الزبیر واھل الحرمین علی بنی امیہ وخروج ابن الاشعث ومن معہ من کبار التابعین وخیار

اور علما کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے نیز اس پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن الاشعث

المسلمین علی الحجاج ثم الجمہور
رأوا جواز الخروج علی من کان
مثل یزید والحجاج ومنهم من
جوز الخروج علی کل ظالم (ج ؛
ص ۷۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ)

اور ان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگان مسلمین کا خروج حجاج کے خلاف مستحسن تھا پھر جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حجاج جیسے ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے

حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی ؟

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے سے آخر کونسا امر مانع تھا کیا وہ بھی العیاذ باللہ حب جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اس کے عمال کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسر شان ہے اسی طرح ایسی صورت میں خود یزید کی عمال کو بھی دمشق پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا؟ اور جب یہ اطاعت کے لیے تیار تھے تو پھر انہیں ناحق قتل کرنے سے کیا فائدہ تھا۔؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] پر آمادہ تھے مگر عبیداللہ بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کونسی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو آپ کے قتل پر مجبور کیا تھا؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خودسر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید نے کیا

برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عضو معطل بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے عمال بداعمال ہی کرتے تھے۔ اور اگر واقعی میں یزید بااقتدار خلیفہ تھا اور اس کے منشا کے بغیر شہدائے کربلا کو قتل کیا گیا تو پھر اس نے اس بارے میں اپنے عمال سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اتنی بحث درایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لیے کافی ہے جو مستفتی نے نقل کی ہے کہ ''اضع یدی فی یدہ'' اور یہ کسی قابل وثوق سند سے ثابت بھی نہیں ہے

مزید برآں اسکے برخلاف عقبہ بن سمعان کی صاف تصریح کتب تواریخ میں موجود ہے چنانچہ حافظ عزالدین ابن الاثیر جزری اپنی تاریخ الکامل میں فرماتے ہیں۔

وقد روی عن عقبة بن سمعان انه قال صحبت الحسين من المدينة إلى مكة ومن مكة الى العراق ولم افارقه حتى قتل وسمعت جميع مخاطبته الناس إلى يوم مقتله فوالله ما اعطاهم ما يتذاكر به الناس من انه يضع يده فی يد يزيد

(ج ۴ ص ۲۲ طبع بیروت)

اور بلاشبہ عقبہ بن سمعان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر ساتھ رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک ان سے کہیں جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک آپ کی وہ تمام گفتگوئیں سنی ہیں جو آپ نے لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو بخدا یہ بات آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں گے اور اس سے بیعت کر لیں گے۔

یہ عقبہ بن سمعان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ رباب کے غلام تھے

عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا [1]

خضری کی تحقیق

"محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مصنف محمد خضری کی تحقیق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں

ولیس بصحیح انہ عرض علیہم ان یضع یدہ فی ید یزید فلم یقبلوا منہ ذلک الحوذہ دعرضوا علیہ ان ینزل علی حکم ابن زیاد

ج ۲ ص: ۱۲۸ طبع مصر

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیعت کے لیے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لیے تیار ہیں مگر ان لوگوں نے آپ کی یہ پیش کش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کریں

غرض یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آخری وقت میں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے۔ نہ روایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ درایت کے اعتبار سے۔ اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تاکہ اس کا مدعا ثابت ہو

---

[1] ملاحظہ ہو الکامل ج ۴ ص: ۳۳)

بارھواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خروج بغاوت نہیں بلکہ ایک اجتہادی سیاسی خطاء تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا۔

اس شبہ کا جواب

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ خطاء آپ کی اجتہادی تھی بہر حال بغاوت ہو یا " اجتہادی سیاسی خطاء " جب بقول مستفتی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرما لیا تھا تو اب ان کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدہن گستاخ بقول مستفتی شریر النفس لوگوں نے امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا" مگر ان ناصبی قاتلانِ حسین کو خاندانِ نبوت کا چراغ گل کرنے کے لئے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنا دین و ایمان کس خبیث کے کہنے میں آکر برباد کیا؟ اس پر مستفتی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

سبائی کون تھے

اور یہ ابھی بھی خوب ہے کہ اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے سبائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ:-

اتی علی رضی اللہ عنہ بزنادقۃ فاحرقھم

(ج ۲ ص ۱۰۲۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زنادقہ لائے گئے آپ نے ان کو نذر آتش کر دیا۔

یہ زنادقہ کون تھے ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ "الکوکب الدراری شرح بخاری" میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام ابوالمظفر الاسفرائنی کی کتاب "التبصرۃ" نقل کیا

ھم طائفۃ من الروافض تدعی السبائیۃ ادعوا ان علیاً الہ وکان رئیسھم عبد اللہ ابن سبا وکان اصلہ یھودیاً

(ج ۲۳ ص ۸۵، طبع مصر)

یہ روافض کا وہ گروہ تھا جس کو سبائی کہا جاتا ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت علی خدا ہیں۔ ان کا سربراہ عبد اللہ ابن سبا تھا جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں لکھتے ہیں۔

واخبار عبد اللہ بن سبا شھیرۃ فی التواریخ ولیست لہ روایۃ وللہ الحمد ولہ اتباع یقال لھم السبائیۃ یعتقدون الالھیۃ علی بن ابی طالب وقد احرقھم علی بالنار فی خلافتہ

(ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

عبد اللہ بن سبا کے واقعات تواریخ میں مشہور ہیں بحمد اللہ اس سے کوئی روایت نہیں ہے اس کے متبعین کو سبائیہ کہا جاتا ہے یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلا دیا تھا۔

اب ذرا غور فرمائیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے

ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی لغو بات ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لیئے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہی کو تجویز کیا ہے اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہو سکتی ہے ناصبی اور رافضی دونوں کا شمار خلق خدا میں بدترین جھوٹ بولنے والوں میں ہے

یہ افترا ہے کہ کوئی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی

اور یہ قطعاً افترا ہے کہ یہ کوئی سبائیوں کی مخفی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے" جنگ میں پہل کرنے والے ناصبی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں اس دور کے ناصبی ملحدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا، من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لیئے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لیئے ان کے ساتھ تھے جو مخدرات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثنا میں ان ساٹھ کوفیوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز ظہر کی نماز کے بعد موقع پا کر جھٹپٹے کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے کیمپ پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے

دستہ فوج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا" یہ وہ فسانہ ہے جو "مجلس عثمان غنی رضؓ" کے اراکین نے اپنے دل سے گڑھ کر "داستان کربلا" اور "حادثہ کربلا" نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹی اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں! اس سے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ حضرت حسین رضؓ اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسین سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کوفیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بنا پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا" یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا منہ کالا کرے اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو ہمارے رسالہ "شہدائے کربلا پر افتراء" کا مطالعہ کرنا چاہیے

صحابہ کی جماعت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی

اور یہ کہنا کہ "کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا حالانکہ اس وقت خاصی تعداد صحابہ کرام رضؓ کی موجود تھی" بالکل غلط ہے صحابہ کرام رضؓ کی جو تھوڑی سی بہت تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے موقف کی حامی تھی چنانچہ حافظ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لئے

ترغیب دے کر روانہ کیا تھا۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔

قلت: هذا يدل على تصويب عبدالله ابن عمرو للحسين في مسيره وهو رأي ابن الزبير وجماعة من الصحابة شهدوا الحرة

(ج ۳ ص، ۱۹ مطبوعہ مصر)

میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کی تھی جو واقعہ حرّہ میں شریک ہوئے۔

علامہ ابن حزم ظاہری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات اس بارے میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں۔

بل الناس انما ميلهم إلى الحسين لأنه السيد الكبير وابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس على وجه الأرض يومئذ أحد يساميه ولا يساديه ولكن الدولة اليزيدية كانت كلها تناديه

(ج ۸ ص، ۱۵۱)

بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہ سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اور ان دنوں روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے مماثل و مساوی ہو لیکن یزید کی حکومت سب کی سب آپ کی عداوت پر تلی ہوئی تھی۔

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس شہر کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لیئے یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرام رضو سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابی رضی نے بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا آخر نہایت بے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ معظمہ سے نکلتے وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا۔

پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں فرماتے ہیں۔

انس بن الحارث قتل مع الحسین بن علی سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قسم ثانی ج ۱ ص ۳۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

احادیث کی رو سے حضرت حسین کے موقف کی صحت

حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا متن یہ ہے۔

ان ابنی یعنی الحسین یقتل

میرا بیٹا حسین مقام کربلا میں قتل کیا

بارض یقال لھا کربلاء فمن
شھد منکم ذالک فلینصرہ

جائے گا تم میں سے جو کوئی اس وقت
پر موجود ہو اس کی مدد کرے

اس حدیث کی بنا پر یہ صحابی معرکہ کربلا میں آپ کے ساتھ رہے اس روایت کو حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں امام البغوی کی معجم الصحابہؓ کے حوالے سے بسند نقل کیا ہے (ج ۸ ص ۱۹۹)

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی صحت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی اور جیسا کہ سابق میں بھی گزرا۔ حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس امت کے "نجباء و رقباء" میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری تھی کہ امت میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہو یہ اس کا بروقت تدارک کریں خواہ اس سلسلہ میں جان کی قربانی دینی پڑے یا جان کی یا جان و مال دونوں کی اس لئے ان تینوں بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین رضائے الٰہی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سہ حضرات کا جنگ و صلح کے بارے میں جو اقدام بھی ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے عین مطابق ہوگا چنانچہ جامع ترمذی میں ہے۔

عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعلی وفاطمة
والحسن والحسین انا حرب لمن
حاربھم وسلم لمن سالمھم
رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰)

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرات علی و فاطمہ و حسن و
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں
فرمایا "جو ان سے لڑے میری ان سے
لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری
ان سے صلح ہے"۔

اور سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت زید بن ارقمؓ سے باب فضائل الحسن و الحسین ابنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی وفاطمۃ والحسن والحسین انا سلم لمن سالمتم وحرب لمن حاربتم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی فاطمہ حسن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا جن سے تم صلح کرو میری ان سے صلح ہے اور جن سے تمہاری لڑائی ہو ان سے میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ روایت موجود ہے[لہ] اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں آئی ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضؓ قال نظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی والحسن والحسین وفاطمۃ فقال أنا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم (مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی، حسن، حسین اور فاطمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے۔"

اس لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو غلط کہنا بہت مشکل ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع اُمت مذموم ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے

[لہ] ملاحظہ ہو موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان" باب فضل اہل البیت"

چنانچہ محدث ملا علی قاری، مشکوٰۃ کی شرح "مرقاۃ" میں لکھتے ہیں

ففضل أهل البيت وذم من حاربهم امر مجمع عليه عند علماء السنة واكابر ائمة الامة (ج ١١ ص ٣٨٧)

اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر ائمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے

یزید کے بارے میں اس کے بیٹے کی شہادت

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت خود اس کے گھر والوں کی موجود ہے حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو۔ اب دیکھئے معاویہ بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ سعادت مند بیٹے جب متولی خلافت ہوئے تو انہوں نے برسر منبر اپنے باپ یزید کے بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ یہ ہے۔

تقلد الامر وكان غير اهله ونازع ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقصف عمره وانبتر عقبه وصار في قبره رهينا بذنوبه ثم بكى وقال ان من اعظم الامور علينا علمنا بسوء مصرعه وبئس منقلبه وقد قتل عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم واباح الخمر

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کیا تو اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لیکر دفن ہو گیا یہ کہکر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ

خرب الكعبة ولم اذق حلاوة الخلافة فلا اتقلد مرارتها فشانكم امركم والله لئن كانت الدنيا خيرا فقد نلنا منها حظا ولئن كانت شرا فكفى ذرية ابي سفيان ما اصابوا منها

(الصواعق المحرقة ص ۱۳۳ مطبوعہ مصر)

اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کو قتل کیا شراب کو مباح کر دیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابو سفیان کی اولاد نے دنیا سے کما لیا وہ کافی ہے۔

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت

اور یزید کے خاص الخاص شریک کار اس کے برادر عمزاد (بشرطیکہ الحاق زیاد صحیح ہو) عبیداللہ بن زیاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام اہل السنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسند ذیل نقل فرمایا ہے

حدثنا ابن حميد قال: حدثنا جرير عن مغيرة قال كتب يزيد إلى ابن مرجانة ان اغز ابن الزبير فقال لا اجمعهما للفاسق ابدا أأقتل ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم واغزو البيت

یزید نے ابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد) کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے کہا کہ میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دونوں برائیاں اپنے نامۂ اعمال میں کبھی جمع نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

قال وكانت مرجانة امرأة صدق فقالت لعبيد الله حين قتل الحسين عليه السلام ويلك ماذا صنعت وماذا ركبت

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۰۴ - ۳۰۳)

کے نواسے کو قتل کر چکا اب خانۂ کعبہ پر چڑھائی کروں (مغیرہ کا بیان ہے کہ مرجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی جب عبید اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا تو اس نے اس سے کہا تھا کہ تجھ پر افسوس تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا۔

یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

اس لیے علمائے اہل سنت والجماعت میں جو حضرات اکابر یزید پلید بالتحقیق پر لعن یا اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بلا وجہ نہیں کرتے۔ یزید کا فسق تمام اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں۔ اور کسی ناصبی کی بات اس سلسلہ میں درخور اعتنا نہیں البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف ہے۔ امام حجۃ الاسلام ابوالیسر بزدوی نے کیا خوب لکھا ہے۔

واما يزيد بن معاوية كان ظالما ولكن هل كان كافرا تكلم الناس فيه بعضهم كفروه لما حكي عنه من اسباب الكفر وبعضهم لم يكفروه لانهم قالوا لم يصح منه تلك الاسباب ولا حاجة بأحد الى معرفة حاله فان الله تعالى اغنانا عن ذلك (اصول الدين ص ۱۹۰ طبع مصر)

رہا یزید بن معاویہ وہ ظالم تھا لیکن آیا کافر بھی تھا یا نہیں اس بارے میں علماء میں گفتگو ہے بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس کی تکفیر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں یہ باتیں صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے مستغنی فرما دیا۔

بہر حال اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے مگر بہر صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" میں بصراحت لکھا ہے کہ

وعلى القول بانه مسلم فهو فاسق
شرير سكير جائر (ص ۱۳۲)

اور اس کو مسلمان کہنے کے با وجود یہ حقیقت ہے کہ وہ فاسق تھا شریر تھا نشہ کا متوالا تھا ظالم تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف کرنا ان کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی مذمت کرنا ایسی بیہودہ حرکت ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے

شہادت حسینؓ پر حضور علیہ السلام کا قلق

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القطر (بارش کا فرشتہ) کے ذریعہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت رنج و اضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر آپ کے رنج و قلق اور سخت پریشانی و اضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے

چنانچہ

عن ام الفضل بنت الحارث
انها دخلت على رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقالت يا رسول الله
انى رأيت حلما منكرا الليلة

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے

قال: وما هو؟ قالت: إنه شديد قال: وما هو؟ قالت: رأيت كأن قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت خيراً تلد فاطمة إن شاء الله غلاماً يكون في حجرك فولدت فاطمة الحسين فكان في حجري كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخلت يوماً على رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته في حجره ثم كانت مني التفاتة فإذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان الدموع قالت فقلت يا نبي الله بأبي أنت وأمي مالك قال أتاني جبريل عليه السلام فأخبرني أن أمتي ستقتل ابني هذا فقلت هذا؟ قال نعم أتاني بتربة من تربته حمراء

آج رات ایک برا خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی سخت ہے ایمان سے باہر ہے آپ نے پھر فرمایا کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو فاطمہ کے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ بچہ تمہاری گود میں رہے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) حضرت فاطمہؓ کے ہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی اور وہ جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا میری گود میں آئے پھر ایک روز میں ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی اور ان کو آپ کی آغوش میں دے دیا میں نے پھر میری توجہ ذرا دیر کے لئے دوسری طرف ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں [illegible] اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو [illegible] تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ [illegible]

باپ آپ پر نثار، آپ کو کیا ہو گیا فرمایا
جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے
انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے
اس بیٹے کو عنقریب قتل کر دیگی میں نے
عرض کیا اس کو فرمایا ہاں! اور مجھے اس کے
مقتل کی سرخ ریت بھی لاکر دی ہے

واضح رہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور قدیم الاسلام صحابیہ ہیں صاحب مشکوٰۃ نے "اسماء رجال مشکوٰۃ" میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد مشرف باسلام ہوئی تھیں

وعن ابن عباس انه قال
رأيت النبي صلى الله عليه وسلم
فيما يرى النائم ذات يوم
بنصف النهار اشعث أغبر
بيده قارورة فيها دم فقلت
بابي انت وامي ما هذا؟
قال هذا دم الحسين واصحابه
ولم ازل التقطه منذ اليوم
فاحصى ذالك الوقت فاجد
قتل ذالك الوقت رواهما
البيهقي في دلائل النبوة واحمد
(مشکوٰۃ ص ۵۷۲ ج ۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
روایت ہے کہ میں نے ایک روز دوپہر کے
وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
اس حالت میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں
چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے
دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے
جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا
حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے، فرمایا
یہ حسین اور ان کے رفقا کا خون ہے جس کو آج
دن بھر سے سمیٹ رہا ہوں ابن عباس فرماتے
ہیں کہ اس وقت کو میں نے یاد رکھا تو تحقیق ہوا

یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا تھا ام الفضل اور ابن عباس دونوں کی روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اخیر کی روایت نقل کی ہے۔

وعن سلمیٰ قالت دخلت علی ام سلمۃ وھی تبکی فقلت ما یبکیک؟ قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسہ ولحیتہ التراب، فقلت ما لک یا رسول اللہ؟ قال شھدت قتل الحسین آنفا۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰۔

اور حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ رو رہی تھیں میں نے عرض کیا آپ کیوں روتی ہیں۔ فرمانے لگیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کی ریش اور سر مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا فرمایا ابھی ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے اس روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔

اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر یہ ناصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شماتت پر خوش اور مسرور ہیں۔ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز و طعن اور ان کا استخفاف ان کا شیوہ ہے۔

شہادت حسینؓ کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا بیان

والحسین رضی اللہ عنہ أکرمہ اللہ تعالیٰ بالشہادۃ فی ھذا الیوم وأھان بذلک من قتلہ أو أعان علی قتلہ أو رضی بقتلہ، ولہ أسوۃ حسنۃ بمن سبقہ من الشہداء فإنہ وأخوہ سیدا شباب أھل الجنۃ وکانا قد تربیا فی عز الإسلام لم ینالا من الھجرۃ والجہاد والصبر علی الأذی فی اللہ ما نالہ أھل بیتہ فأکرمھما اللہ تعالیٰ بالشہادۃ تکمیلاً لکرامتھما ورفعاً لدرجاتھما وقتلہ مصیبۃ عظیمۃ۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۵۱۱ مطبوعہ ریاض ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن تیمیہ رح نے خوب لکھا ہے کہ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالیٰ نے اس دن شہادت سے معزز و مکرم فرمایا اور اس لیے جس نے بھی ان کو قتل کیا یا ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے قتل سے راضی ہوا اس کی اہانت فرمائی حضرت تو اگلے شہدا کا اچھا نمونہ تھے کیونکہ بلاشبہ حضرت حسین اور ان کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں ان دونوں حضرات کی نشوونما چونکہ اس عہد میں ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لیے دوسرے بزرگان اہل بیت کی طرح ان دونوں کو ہجرت جہاد اور راہ خدا میں اذیت پر صبر کا وہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات کو ملا تھا لہذا حق تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو بھی مرتبہ شہادت پر فائز فرما کر معزز فرمایا تا کہ ان کے اعزاز و تکریم کی تکمیل ہو اور ان کے درجات بلند ہوں حضرت حسین

کی شہادت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

حضرت حسین سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا

یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا قدر کر سکتے ہیں ان کی قدر تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔

وقد ادرک الحسین من حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس سنین او نحوھا وروی عنہ احادیث .... وسنذکر ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرمھما بہ وما کان یظھر محبتھما والحنو علیھما والمقصود ان الحسین عاصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ الی ان توفی وھو عنہ راض ولکنہ کان صغیراً ثم کان الصدیق یکرمہ ویعظمہ وکذالک عمر وعثمان، وصحب اباہ وروی عنہ وکان معہ فی مغازیہ [illegible] فی الجمل وصفین وکان

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ سال یا اس کے لگ بھگ پائے اور آپ سے حدیثیں روایت کیں اور عنقریب ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں بھائیوں کی کس طرح عزت افزائی فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے ساتھ کس قدر محبت و شفقت کا اظہار فرماتے تھے اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور وفات نبوی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان فانی سے رحلت فرمائی تو آپ ان سے [illegible]

[illegible]

معظماً موقراً ولم یزل فی
طاعة ابیه حتی قتل
(ج۸ ص ۱۵۰)

صدیق اکبرؓ اور اسی طرح حضرت عمر
وحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی
ان کا اکرام و تعظیم فرماتے تھے حضرت
حسینؓ برابر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ
رہے ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور تمام
غزوات حیدری میں جن میں جمل وصفین
بھی شامل ہیں حضرت علیؓ کے ساتھ
جہاد میں شریک رہے کیا یہ ہر زمانے میں
معظم و موقر تھے اور برابر اپنے والد
کی اطاعت میں مصروف رہے تا آنکہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لیے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں رفعت دینا حد درجہ گستاخی و خیرہ چشمی ہے۔ اور اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

یاد رہے یزید کی مذمت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں بعض میں صراحت کے ساتھ اس کا نام لیکر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے عہد نحوست مہد کی نشاندہی کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات شنیعہ پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال قبیحہ پر لعنت کی تصریح ہے ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو بھی چکا ہے۔ ان احادیث کی تفصیل ہم انشاء اللہ مستقل رسالہ میں تمام تر کریں گے واللہ الموفق

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتوی کا انتساب مشکوک ہے

اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ آپ کی
استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی
تائید میں ۱۳ر محرم ۱۳۸۵ھ میں

دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جا چکا ہے کیا یہ صحیح ہے۔"

تو الحمد للہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا دارالعلوم بھی موجود ہے اور وہاں کا دارالافتاء بھی۔ وہاں سے دریافت کیا جا سکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان بارہ سوالات مذکورہ کی تائید و تصحیح حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہو سکتی حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا رسالہ شہید کربلا کہیں چھپا نہیں چھپا ہوا موجود ہے پڑھکر دیکھ لیجئے اس رسالہ کے مطالعہ سے ان سوالات کی تردید ہوتی ہے یا تائید؟

یزید کے بارے میں مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات

بہرحال مفتی صاحب رح کا انتساب علماء دیوبند کی طرف ہے وہ وطناً تلمذاً نسبتاً مسلکاً دیوبندی ہیں اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان کے خلف الرشید شاہ عبدالعزیز صاحب محدث کی تصریحات یزید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

لعین یزید کے بارے میں مجدد الف ثانی کی تصریحات

حضرت مجدد الف ثانی رح شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے معاصر اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے اکابر میں ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کے مکتوبات شریف میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے۔

یزید بے دولت از زمرہ فسقہ است
توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر

یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں
شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف

اہل سنت است کہ شخص معین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ بتیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بودہ کابی لہب الجہنمی وامرأتہ نہ آنکہ او شایان لعنت نیست ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ (دفتر اول مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم ص ۲۰ طبع مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ)

اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے الا یہ کہ بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت نہیں ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی۔"

مکتوبات کے ایک دوسرے نسخے میں "از زمرہ فسقہ" کی بجائے "از سرہ فسقہ" کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہوئے "یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے" اور اسی مکتوب میں سائل کے اس جواب میں کہ

اگر او مستحق لعنت است (الخ)

(ص: ۸۵)

اگر وہ جس کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے مستحق لعنت ہے۔

فرماتے ہیں۔

اگر این سخن در باب یزید می گفت گنجائش داشت

اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جاتی تو اس کی گنجائش تھی۔

اور دفتر اول کے مکتوب (۲۶۶) میں فرماتے ہیں۔

این منکر قرین یزید بے دولت

یہ فضیلت شیخین کا منکر یزید بدنصیب کا

است کہ بواسطہ احتیاط در لعن او توقف کردہ اند ایذا ئیکہ بحضرت پیغمبر از راہ ایذا خلفائے راشدین او میرسد در رنگ ایذائے است کہ از راہ ایذائے امامین باو رسد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ و التسلیمات (حصہ چہارم ص ۱۳۰)

ساکت ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر لعنت کرنے سے رکتے ہیں حضرت پیغمبر کو جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذا رسانی کے سبب ہوتی ہے وہ اسی رنگ کی ایذا ہے کہ جو حضرات امامین حسنین کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ کو ہوتی ہے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات

بحر العلوم کی تصریح یزید پلید کے بارے میں

اور علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

(ویزید ابنہ مع اللّٰہ کان من اخبث الفساق وکان بعیداً بمراحل من الامامۃ بل الشک فی ایمانہ خذلہ اللّٰہ تعالیٰ والصنیعات التی صنعہا معروفۃ من انواع الخباثۃ) ج۔ ۲ ص ۳۲۳ طبع مصر ۱۳۲۲ھ۔)

اور ان کا بیٹا یزید اگرچہ فاسقوں میں بڑا اخبث تھا اور منصب خلافت سے بمراحل (کوسوں) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے اللہ تعالیٰ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں

اور حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی رح اپنے "مکتوبات" میں فرماتے ہیں

رفیق من از جند حسین بن علی است و رفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی[1]

میرا رفیق حضرت حسین بن علی رض کی سپاہ میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوبات سید احمد ص ۴۹؛ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور۔

یزید شقی کے زمرہ میں

اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

بلا ریب شارک ما یا غازی است یا شہید
در مقابل ما یان ابوجہل است یا یزید
ورق ۱۵۱ ا[1]

بلاشبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید
اور ہمارا مقابل ابوجہل ہے یا یزید

ہندوستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ پلید کا لفظ بڑھا دیتے ہیں۔ یا یوں لکھتے ہیں۔ یزید علیہ ما ہو اہلہ (تیسیر القاری ج ۶ ص: ۲۹۹) یا یزید علیہ ما یستحقہ (تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶) اور یزید بن معاویہ علیہ من اللہ ما یستحقہ (منہاج الدروس) الغرض یعنی یزید کے لیئے رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے یوں لکھا کرتے ہیں۔ کہ یزید جس معاملہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانوی رح کے فتاوی یزید کے بارے میں امداد الفتاوی میں بہ تحت شمارہ موجود ہیں ان کو دیکھ لیا جائے وہ یزید کو فاسق ہی بتاتے ہیں[2]

غیر مقلد مفتیوں کے فتوی کی تنقیح

مطبوعہ استفتاء جو "بشارت مغفرت کے امین حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے فتوی کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتوی بھی یزید کے بارے میں ان الفاظ میں درج ہے۔

---

[1] ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید لعل شاہ بخاری عم فیوضہم کے ممنون ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو امداد الفتاوی ج ۴ ص ۴۶۵

"الجواب۔ امیر یزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالجات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکورہ در سوال بین طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیشگوئی میں اس کو مغفور فرمائیں یہ کافر فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت یزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی ممانعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب۔"

مفتیان بالا کی رائے صحیح ہے
ابو الفضل عبد الحنان
۲۵ ش ۳۱ ھ

مولانا
محمد یوسف خان
مفتی پاکستان کراچی
گلشن والے

"صحیح بخاری کی حدیث"

نواب صدیق حسن خان کا فیصلہ یزید کے بارے میں

یہ تو تفصیلی بحث گذر چکی، اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جانیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب "بغیۃ الرائد فی شرح العقائد" سے جو "عقائد نسفیہ" کی شرح ہے۔ پیش کئے دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا تعلق علم عقائد سے ہے اس لئے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہیئے

نواب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

وبعضے براہ غلو و افراط درشان وے رفتند و گویند امارت او باتفاق مسلمانان شد و طاعت وے بر امام حسین رضی اللہ عنہ واجب بود، وبخدا پناہ ازیں قول و اعتقاد کہ وے با وجود امام حسین امام و امیر شود، و اتفاق مسلمانان کجا است، جمعے از صحابہؓ و اولاد ایشان کہ در زمان آں پلید بودند انکارش کردند و از طاعت او بیروں رفتند۔ وبعضے از اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند،

اور بعض لوگ یزید کے بارے میں غلو و افراط کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھا لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور مسلمانوں کا اتفاق کیسا۔ صحابہ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی ان سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔ اور اہل مدینہ کے بعض حضرات کو جب اس کے حال کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی۔

و وے تارک صلوٰۃ و شارب خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود، و بعضے بر وے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد و امثال ایشان، و ابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسین کافر شد و کسے کہ قتل

اور وہ تو تارک صلوٰۃ، شراب خوار، زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا تھا۔ اور بعض علما جیسے کہ امام احمد اور ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں حافظ ابن جوزی نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے کیونکہ جس وقت اس نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے بھی حضرت ممدوحؓ کو قتل کیا

وے کرد یا امر بدان نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند تفتازانی گفتہ حق آنست کہ رضائے وے بقتل حسین واستبشار وے بدان و اہانت نمودن اہل بیت متواتر المعنی است اگرچہ تفاصیلش احاد باشد نحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ انتہی وبالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزد اکثر مردم و کارہائے کہ آن بے سعادت دریں امت کردہ از دست ہیچ کس ہرگز نیاید۔

یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر اتفاق ہے۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ قتل حسین پر یزید کی رضامندی اور اس پر اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد سے ہو لہٰذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس کے یاروں اس کے اعوان وانصار پر بھی۔ (تفتازانی کا کلام یہاں ختم ہو گیا) بہرحال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کیے ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔

بعد قتل امام حسین لشکر بتخریب مدینہ منورہ فرستاد و بقیہ صحابہ و تابعین را امر بقتل کرد و بالجملہ در حرم مکہ در قتل عبد اللہ بن الزبیر پرداخت و ہم دریں حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ دیگر احتمال توبہ و رجوع او کجا

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس نے مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر حرم مکہ کی عزت کو پامال کرتے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے ہو گیا۔ اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا

است (ص ۳۰۶ طبع مطبع علوی لکھنؤ	احتمال ہی کہاں رہا۔
سنہ ۱۳۱۲ھ)	

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کوکبانی نزیل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے "البدر الطالع" میں تصریح کی ہے اپنی کتاب "العلم الشامخ فی تفضیل الحق علی الآباء والمشائخ" میں رقمطراز ہیں۔

واعجب من ذلك من	اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے کہ جو یزید
يحسن ليزيد المويل[1] الذی	مرید[2] کو اچھا بناکر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید ہی تو ہے
فعل بخیار الامة ما فعل،	جس نے بزرگانِ امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ
وهتك مدينة الرسول	کیا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خاک
صلی الله عليه وآله وسلم	میں ملایا سبطِ پیمبر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
وقتل الحسين السبط و	اور ان کے اہلِ بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی
اهل بيته وهتكهم وفعل	کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنانِ اسلام
مالو استمكن من مثل فعله	نصاریٰ کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی
عدوهم من النصارى لربما	ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم
كان ارفق منه	ہی ہوتا۔
ومن جملة المحسنين له	اور یزید کو اچھا بناکر پیش کرنے والوں میں حجۃ
حجة الاسلام الغزالی ولكنه	الاسلام غزالی بھی ہیں۔ لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں
فی تصرفاته كلها كحاطب	میں حاطب اللیل (رات کے اندھیرے میں

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں المویل کے بجائے المرید ہے۔ [2] "مرید" کے معنی سرکش کے ہیں۔

ليل يجمع في حطبه الحية والعقرب ولا يدري۔

وما يهون صنع يزيد الا مخذول ادركته الشقاوة في مشاركته بطواعه المرويات فاياك والتفريط والافراط، ولكن الصبر عنهما كالقبض على الجمر سيما مع تراكم الجهل كزمننا هذا، نسأل الله العافية والسلامة آمين

ومن غريب الفقه ما ذكره ابن حجر الهيتمي في صواعقه أنه لا يجوز لعن يزيد وان كان يجوز بالاجماع لعن من شرب الخمر ومن قطع الارحام ومن هتك مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم ومن قتل الحسين او امر بقتله او رضي بقتله۔ قال واما يزيد

لکڑیاں جمع کرنے والے) کی طرح ہیں کہ جو اپنی لکڑیوں میں سانپ بچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیر لیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے ہتک قولوں میں اس کا شریک بن گیا۔ لہذا تمہیں تفریط وافراط سے بچنا چاہیے۔ لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا خصوصاً جبکہ جہالت امڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ آمین

اور فقہ کا نرالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیتمی نے اپنی کتاب "صواعق محرقہ" میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ بالاجماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو میخوار ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پامال کرے۔ اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں لیکن خود یزید پر منتشر

بعينه فلانا كان قد فعل هذه الاشياء فهو فاسق قطعاً. ونجد في فقههم نحو كلامنا هذا انه لا يجوز لعن المعين فهي كلية فيقال هو قياس الدلالة على فقهكم هذا: ان لا يحد شارب الخمر المعين والزاني المعين الخ وذلك في جميع احكام الشريعة لان الطريقة واحدة قطعا؟ ايضا منطقكم لان هذا الشكل الاول الضروري فالقضية فاق برهان يقام بعده وصورته:

هذا يزيد شرب الخمر، وشارب الخمر ملعون هذا يزيد ملعون.

ولو قالوا الحق يحتاج الى ذلك من باب قوله صلى الله عليه وآله وسلم ليس المؤمن باللعان لكان فيه مندوحة للمتقين والله اعلم

(ص ۲۰۰ طبع مصر [illegible])

کرسکے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قطعاً فاسق تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں یہاں کا کلیہ ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ میں تو قیاس الدلالت کی بنا پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ نہ کسی معین شرابخور پر حد لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی طرح اور سارے احکام شرعیہ میں کیا جانا چاہیے تھا کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے۔

اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا ہو جائیگی کیونکہ تو منطق کی اس شکل اول کی بنا جو بدیہی الانتاج ہے جس کا اثبات کرتے ہو۔ لہٰذا اب حق جدا اور کوئی دلیل تمہارے سامنے نہیں رہ سکتی ہے کیونکہ قیاس کی شکل اول کی صورت یہ ہے (۱) یہ ہے یزید جس نے شراب پی ہے اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے۔ (۳) لہٰذا یہ یزید ملعون ہے۔

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے بچنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا" تو بیشک اس صورت میں اہل تقویٰ کے لئے اس سے بچنے کی گنجائش ہوتی۔ واللہ اعلم

اب نواب صدیق حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام نہاد غیر معروف مفتیوں کے فتوی کی جو وقعت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث

اور صحیح بخاری کی اس حدیث کے بارے میں جو استفتاء میں مذکور ہے ان غیر مستند مفتیوں کا یہ کہنا کہ

> "حدیث مذکورہ در سوال بیّن طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔"

اور پھر مکرر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ

> "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور فرمائیں۔"

اور اسی طرح مولوی محمد رضا میر نائب مفتی کا یہ لکھنا کہ

> "امیر یزید . . . ازروئے حدیث بخاری شریف مغفور لہم میں داخل ہیں۔"

محض غلط ہے۔ اگر یہ لوگ خود تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی شدید غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق ایک غلط بات کو منسوب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمائیے "صحیح بخاری" کی جو حدیث استفتاء میں درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم۔	میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر جنگ کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ

یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیانِ روم میں شامل ہوگیا تھا ورنہ اسے جہادِ کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تختِ حکومت پر قدم رکھا اپنی پہلی ہی تقریر میں بحری اور سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کا جزیرہ رودس اور جزیرۃ ارواد سے مجاہدین کو واپس بلا لینا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ۵۳ھ میں جزیرہ "روڈس" فتح ہوا اور وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کردی گئی۔ اس چھاؤنی کی وجہ سے بحرِ روم میں عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مجاہدینِ اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمربستہ رہتے تھے مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے منتقلی کے فوری احکام بھیجے آخر وہ بیچارے پیچھے سے رسد اور کمک کے منقطع ہوجانے کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق "روڈس" کو خالی کرکے اپنی زمین جائداد، کھیت اور باغات کو خیرباد کہہ کر بادلِ ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آگیا۔[1]

اسی طرح ۵۴ھ ہجری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ "ارواد" فتح کیا تھا وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دورِ حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں سے واپسی کا حکم دے کر بلوا لیا۔[2]

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کردی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات وحوادث ۵۳ھ ہجری۔

[2] تاریخ طبری بضمن واقعات ۵۴ھ ہجری۔

اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے "مغفرت عام" مراد نہیں ہے۔ کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمالِ صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں بالاتفاق سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ بغیر توبہ کے معافی لازمی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کریم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کردے اور چاہے تو از راہِ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

"مدینۂ قیصر" سے کیا مراد ہے اس حدیث میں "مدینۂ قیصر" کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ "مدینۂ قیصر" یعنی شہرِ قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کونسا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱) "مدینۂ قیصر" سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جبکہ زبانِ رسالت سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ یعنی "حمص" جو کہ شام کا مشہور شہر ہے۔ اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے سنہ ۱۵ ہجری میں عہدِ فاروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے۔ کہ بعض علماء نے اس حدیث میں "مدینۂ قیصر" سے "حمص" ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر "رومہ" جو قدیم زمانہ سے قیاصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آ رہا تھا۔ "رومہ" پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر "قسطنطنیہ" جو قسطنطین اعظم کا پایۂ تخت تھا۔

حدیث "مدینۂ قیصر" کا مصداق سلطان محمد فاتح اب اگر "مدینۂ قیصر" سے

قسطنطینیہ ہی قرار دینے پر اصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق یزید پلید نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی فوج ظفر موج ہے کیونکہ وہ مجاہدین اسلام ہیں جن کی شمشیر خارا شگاف نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا۔ اور پھر "بغداد" کے بعد صدیوں تک مسلمانوں کا دار الخلافہ رہا تا آنکہ مصطفے کمال نے اپنی حماقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آئی ہے اس میں عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق اگر "مدینہ قیصر" سے "قسطنطنیہ" ہی مراد لیا جائے تو فاتحین "قسطنطنیہ" ہی ہو سکتے ہیں۔ بھلا یزید اس بشارت کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہ تو قریش کے ان شریر النفس لونڈوں میں سر فہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہوگی۔

یزید قسطنطنیہ کی پہلی مہم میں شریک نہ تھا

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیر کمان جو لشکر "قسطنطنیہ" کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہ "قسطنطنیہ" پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس سے بہت پہلے اسلامی لشکر "قسطنطنیہ" پر جا کر جہاد کر چکے تھے۔ یزید کس سنہ میں "قسطنطنیہ" پر حملہ آور ہوا اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف ہیں لیکن سنہ ۴۹ ہجری سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ [illegible]

شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافت معاویہ و یزید" میں یہی بیان ہے
وہ لکھتے ہیں۔

"۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے خصوصاً بنو کلب جو امیر یزید کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی" (ص ۳۷ طبع چہارم)

اگرچہ خود یزید دولت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۴۹ پر) امیر شکیب ارسلان کی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات سے بحوالہ "طبقات ابن سعد" اس غزوہ کی تاریخ ۴۹ھ ہجری ہی نقل کی ہے۔ بہرحال ۴۹ھ سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یزید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۴۹ھ ہجری سے بہت پہلے غازیان اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں مذکور ہے۔

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا	اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے
ابن وهب عن حيوة بن شريح و ابن لهيعة	لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت
عن يزيد بن ابی حبيب عن اسلم ابی	امیر جیش حضرت عبد الرحمن بن خالد بن الولید رضی
عمران قال غزونا من المدينة نريد	اللہ تعالی عنہما تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے

القسطنطينية وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد والروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة فحمل رجل على العدو فقال الناس مه مه لا اله الا الله يلقي بيديه الى التهلكة فقال ابو ايوب انما انزلت هذه الآية فينا معاشر الانصار لما نصر الله نبيه صلى الله عليه وسلم واظهر الاسلام قلنا هلم نقيم في اموالنا ونصلحها فانزل الله عزوجل وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ فالالقاء بايدينا الى التهلكة ان نقيم في اموالنا ونصلحها وندع الجهاد قال ابو عمران فلم يزل ابو ايوب يجاهد في سبيل الله عزوجل حتى دفن بالقسطنطينية

پشت لگائے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اثنا میں (مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر) ایک شخص نے دشمن (کی فوج) پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے "رکو رکو لا الٰہ الا اللہ یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے" یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے۔ (واقعہ یہ ہے) کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الآیہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) لہذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے رہے تا آنکہ آپ دفن بھی قسطنطینیہ ہی میں ہوئے۔

(باب في قوله عزوجل وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابو داؤد ہی نے "کتاب السنن" کے "باب فی قتل الاسیر بالنبل" میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

حدثنا سعید بن منصور ثنا عبد اللہ بن وھب قال أخبرنی عمرو بن الحارث عن بکیر بن الأشج عن ابن تعلی قال غزونا مع عبد الرحمن بن خالد بن الولید فأتی بأربعة أعلاج من العدو فأمر بھم فقتلوا صبراً قال ابو داؤد قال لنا غیر سعید عن ابن وھب فی ھذا الحدیث قال بالنبل صبراً فبلغ ذلک أبا أیوب الانصاری فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن قتل الصبر فوالذی نفسی بیدہ لو کانت دجاجة ما صبرتھا فبلغ ذلک عبد الرحمن بن خالد بن الولید فأعتق أربع رقاب

ابن تعلی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبد الرحمن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں شریک تھے (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن کے چار ہٹے کٹے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل کرنے کا انہوں نے حکم دیا، اور تعمیل حکم میں ان کو باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا جب اس امر کی خبر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اس کا اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے اس فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبد الرحمن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انھوں نے اس کے کفارے میں چار غلام آزاد کئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صغار صحابہ میں ذکر کیا ہے یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع و دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

أخرج ابن عساكر من طرق كثيرة أنه كان يؤمر على غزو الروم أيام معاوية	حافظ ابن عساکر نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں ان کو رومیوں سے جو جنگیں لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۴۴ھ اور ۴۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں ۴۴ھ اور ۴۶ھ ہجری کے واقعات کے ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر امارت رومیوں کے مسلمانوں کے سرمائی جہاد کا ذکر کیا ہے افسوس ہے کہ ۴۶ھ ہجری ہی میں ان کو حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا یہ اپنے غزوات و جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید کو ۴۹ھ ہجری یا اس کے بھی کئی سال بعد ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں قسطنطنیہ کی مہم پر روانہ ہوا تھا۔ اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطنیہ کی شہر پناہ پر جنگ کر چکے ہیں۔ سر دست ہم "غزوہ قسطنطنیہ" کے سلسلہ میں اسی قدر بحث پر اکتفاء کرتے ہیں۔ زندگی بخیر رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ہماری کتاب "یزید کی شکل و صورت حدیثوں کے آئینے میں" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری مہلب المتوفی ۴۳۵ھ جنہوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اندلس میں مالقہ کے قاضی تھے اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف کی یہ ساری کارگزاری جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری (ج ۵ ص ۱۰۱) میں تصریح کی ہے بنی امیہ کی حمیت میں تھی۔

یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یزید علمائے اہل سنت جماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت خراب آدمی تھا اس کے عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں۔

(۱) "ناصبیت" یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عداوت۔ چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ "از روسائے نواصب است"[1]

اور مورخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویۃ کان ناصبیاً فظاً غلیظاً جلفاً یتناول المسکر ویفعل المنکر افتتح دولتہ بقتل الشہید الحسین رضی اللہ عنہ واختتمہا بوقعۃ الحرۃ فمقتہ الناس ولم یبارک فی عمرہ وخرج علیہ غیر واحد بعد الحسین رضی اللہ عنہ کاہل المدینۃ للّٰہ (الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر)

یزید بن معاویہ ناصبی تھا سنگدل بدزبان غلیظ جفاکار مے نوش بدکار۔ اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ کے قتل عام پر۔ اسی لئے لوگوں نے اس پر پھٹکار بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف محض اللہ فی اللہ خروج کیا جیسے کہ حضرات اہل مدینہ نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) "ارجاء" یعنی "ناصبی" ہونے کے ساتھ "مرجی" بھی تھا چنانچہ سوال اول کے جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح اس کے بارے میں گزر چکی ہے اور "ارجاء" کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے۔ اور رہی اس کی بدعملی سو اس کے اعمال قبیحہ اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے اوراق پر ہیں۔ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ ایسے نابکار و نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گن گانا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

---

[1] مکتوب قاسمی دربارہ شہادت حسین طبع ملتان ص ۳۹

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں

واما ترک محبتہ فلان المحبۃ الخاصۃ انما تکون للنبیین والصدیقین والشہداء والصالحین ولیس واحداً منہم وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المرء مع من احب ومن آمن باللہ والیوم الآخر لا یختار ان یکون مع یزید ولا مع امثالہ من الملوک الذین لیسوا بعادلین (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ص ، ۳۱۳)

حافظ ابن تیمیہ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت خاص کر انبیاء صدیقین وشہداء و صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ انسان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی۔ اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔

روافض و نواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں

اخیر میں ہم اتنا اور عرض کریں گے کہ احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو "نجوم ہدایت" بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم (رواہ رزین)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اس روایت

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ
الفصل الثالث)

کو رزین نے نقل کیا ہے۔

اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو "کشتی نوح" سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اس میں سوار ہوگا بحر ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا ارشاد ہے کہ

الا ان مثل اهل بیتی فیکم
مثل سفینة نوح من رکبها
نجا ' ومن تخلف عنها
هلك رواه احمد (مشکوٰۃ
باب مناقب اهل بیت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث)

یاد رکھو میرے اہل بیت کی مثال تمہارے
لیئے ایسی ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ
السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار
ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اس میں
سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا
اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے

مطلب صاف ہے جو لوگ "سفینہ اہل بیت" سے دور رہے جیسے خوارج اور نواصب کہ "اہل بیت" کے دشمن ہیں ان کو کافر کہتے اور ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں وہ اول مرحلے ہی میں غرق دریائے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضیا پاشی سے کہ "نجوم ہدایت" ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل نہ کی جیسے روافض ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین منجدھار میں جاکر ان کی کشتی بحر ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت وجماعت امام فخر الدین رازی کے الفاظ میں

نحن معاشر اهل السنة
بحمد اللہ رکبنا سفینة
محبة اهل البیت واهتدینا
بنجم هدی اصحاب النبی صلی

ہم گروہ "اہل سنت" بحمد اللہ محبت اہل
بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نجم ہدایت سے
رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لیئے امید اور

اللہ علیہ وسلم فنرجو النجاۃ	ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے
من اھوال القیامۃ ودرکات	طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور وہ
الجحیم والھدایۃ الی مایوجب	ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے
درجات الجنان والنعیم المقیم	درجات اور دائمی نعمت کو واجب
	کردیتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حدیث سفینۂ نوح کی شرح میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے یزید پلید نے نہ اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی اس لیئے اب جو اہل سنت کے زمرے سے خارج ہوکر نواصب کے گروہ شقاوت پژوہ میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے یزید پر اپنی جان نچھاور کرے اپنا مال نثار کرے اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بنائے۔

ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ سائل نے استفتا میں جو بارہ سوالات قائم کیئے ہیں وہ سب واہی تباہی شبہات پر مبنی ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین و تذلیل اور تحمیق و تجہیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لیئے ایسے امور کو حقائق باور کرنے والا پکا ناصبی فاسق اور بدعتی ہے اور اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور واجب التعزیر ہے ایسا شخص نہ امامت کے لائق ہے نہ خطابت کے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والحمد للہ اولاً و آخراً

کتبہ الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ ذنوبہ

۲۰ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۱ھ

خلافت اور ملوکیت کے بارے میں فکرِ اسلامی کے دھارے کو بدلنے کی کوشش

اہل سنت کیلئے لمحہ فکریہ

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۴۵۶ھ نے شہادت[1] عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادثہ[2] کربلا، واقعہ[3] حرہ، حصار[4] کعبہ و قتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹھ گیا، حادثہ کربلا سے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے مدینۃ الرسولؐ کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوشوں نے وہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا۔ اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شعائرِ اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر پاس و لحاظ نہیں کیا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں ناصبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصارِ کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ادعاءِ خلافت کو، شیعہ مروانیہ کا ایمان و عقیدہ یہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں

کے خون سے ہولی کھیلنے والے ۔ حضرت حسین رض ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونی ہنگاموں میں یزید اور عبدالملک بن مروان کی تیغ ستم کا نشانہ بنے شہید نہیں ۔ بلکہ خلافت کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے ۔ شیعہ مروانیہ کا یہ نظریہ مروانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا ۔ لیکن محمود احمد عباسی نے کتاب " خلافت معاویہ و یزید " لکھ کر اس فتنہ کو پھر نئے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اب سنبھلی اور مظہر صدیقی نے اس فتنہ کو ہوا دی ہے

اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ " ناصبیت " کا پیدا ہو گیا ہے جس سے اب تک ہند و پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی ، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا ، اور اب تو بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہے ۔

یہ کتاب سراسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب و افتراء کا مرقع ہے ۔

اس نام نہاد " تاریخی ریسرچ " کے چار مآخذ ہیں ۔

(۱) مستشرقین کی تصریحات ، جن کو مؤلف جا بجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں ، اور ہر باب میں ان کے اقوال کو تفصیل سے

ہیں ۔

(۲) شیعہ مورخین جن کے کذب و افتراء کا جا بجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مؤلف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع و برید کرتے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں ۔

(۳) بعض وہ مصنفین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے انحراف رکھتے ہیں

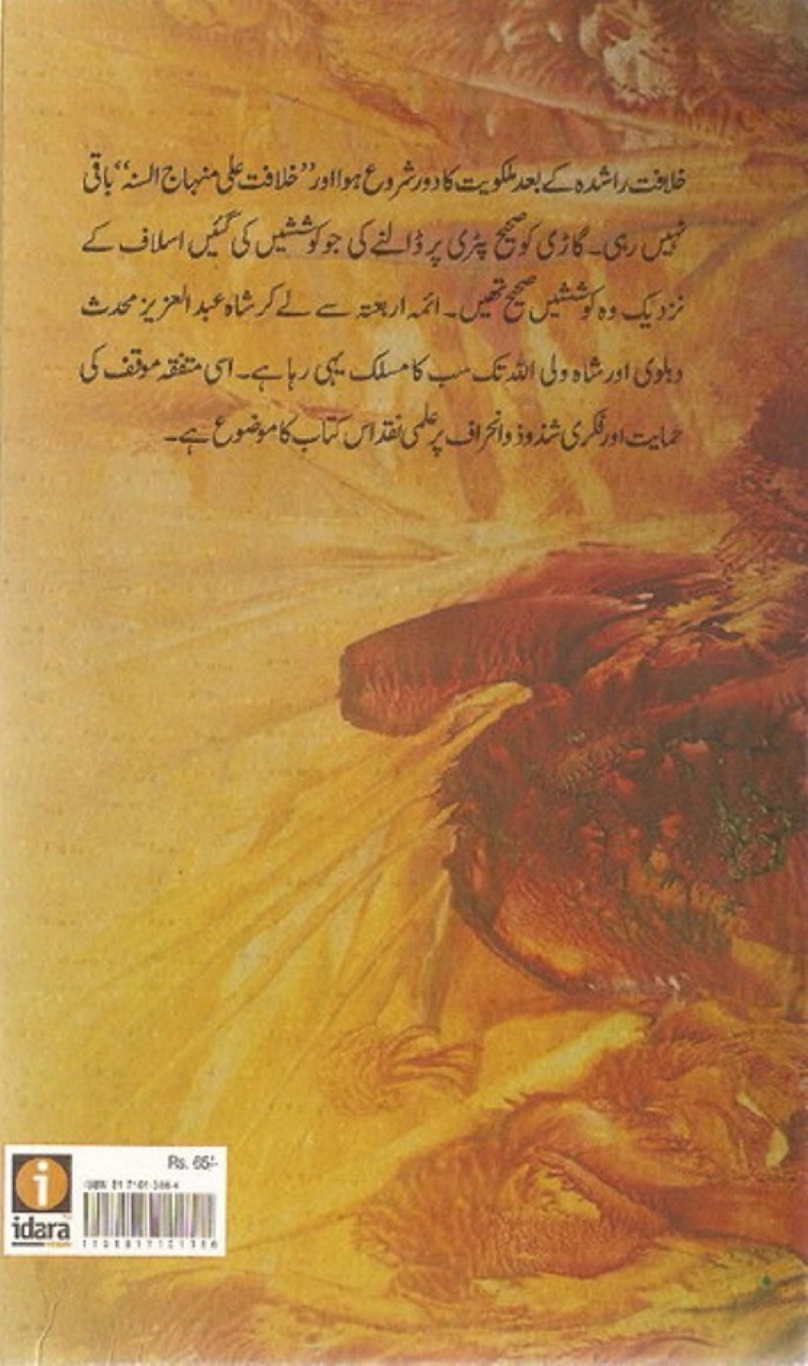

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوا اور ''خلافت علی منہاج السنہ'' باقی نہیں رہی۔ گاڑی کو صحیح پٹری پر ڈالنے کی جو کوششیں کی گئیں اسلاف کے نزدیک وہ کوششیں صحیح تھیں۔ ائمہ اربعہ سے لے کر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ تک سب کا مسلک یہی رہا ہے۔ اسی متفقہ موقف کی حمایت اور فکری شذوذ وانحراف پر علمی نقد اس کتاب کا موضوع ہے۔

idara
Rs. 65/-
ISBN 81 7101-366-4